



نام کتاب : تیسیر الکَرِیم الرحمن فی تفسیر الکلام المنان المعروف بتفسیر سعدی

(پارہ ۱۷)

مؤلف : فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق : عبدالرحمن بن معلا اللویحی حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن : حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ترجمہ تفسیر : پروفیسر طیب شاہین لودھی حفظہ اللہ

ناشر : دار السلام

پاړه نمبر ستره 17

نمبر شمار	نام سورت	صفحه نمبر	شمار پاړه
۲۱	سورة الأنبياء	1655	۱۷
۲۲	سورة الحج	1704	۱۷

تَفْسِيرُ سُورَةِ الْاَنْبِيَاءِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شریعہ) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

سُورَةُ الْاَنْبِيَاءِ
(۲۱) مَكِّيَّةٌ ۶۳۷اِنْشَاءً ۱۱۲
رُكُوْعًا ۷

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝۱ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرِ
 قریب آگیا ہے لوگوں کیلئے حساب (کا وقت) انکا جبکہ وہ غفلت میں پڑے اعراض کر نیوالے ہیں ۝ نہیں آتا انکے پاس کوئی ذکر
مِّنْ رَبِّهِمْ مُّحَدَّثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۲ لَّاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ وَاسْرَوْا
 انکے رب کی طرف سے نیا، مگر وہ سنتے ہیں اسکو اس حال میں کہ وہ کھیل رہے ہوتے ہیں ۝ غافل ہیں دل اٹکے اور چپکے چپکے کیا
النَّجْوٰی ۝۳ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۝۴ هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۝۵ افَتَاْتُوْنَ السَّحْرَ وَاَنْتُمْ
 مشورہ ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا، نہیں ہے یہ (رسول) مگر بشری تم جیسا، کیا پس تم آتے (مانتے) ہو جادو کو جبکہ تم
تُبْصِرُوْنَ ۝۶ قُلْ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝۷
 دیکھ بھی رہے ہو ۝ رسول نے کہا، میرا رب جانتا ہے (ہر) بات کو آسمان اور زمین میں، اور وہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے ۝

یہ لوگوں کے احوال پر تعجب کا اظہار ہے اور اس امر کی آگاہی کہ انہیں کوئی وعظ و نصیحت فائدہ دیتی ہے نہ وہ
 کسی ڈرانے والے کی طرف دھیان دیتے ہیں اور یہ کہ ان کے حساب اور ان کے اعمال صالحہ کی جزا کا وقت
 قریب آگیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ غفلت میں پڑے روگردانی کر رہے ہیں یعنی وہ ان مقاصد سے غافل
 ہیں جن کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے اور ان کو جو تنبیہ کی جاتی ہے وہ اسے درخور اعتناء نہیں سمجھتے۔ گویا کہ انہیں
 صرف دنیا کے لئے تخلیق کیا گیا ہے اور وہ محض اس دنیا سے فائدہ اٹھانے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ تبارک و
 تعالیٰ نئے نئے انداز سے انہیں وعظ و نصیحت کرتا ہے اور یہ ہیں کہ اپنی غفلت اور اعراض میں مستغرق ہیں۔ اس
 لئے فرمایا: ﴿مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرِ مِّنْ رَبِّهِمْ مُّحَدَّثٍ﴾ ”نہیں آتی ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی
 نئی نصیحت۔“ جو انہیں ایسی باتوں کی یاد دہانی کراتی اور ان کی ان کو ترغیب دیتی ہے جو انہیں فائدہ دیتی ہے اور ان
 باتوں کی بھی جو ان کے لیے نقصان دہ ہیں اور ان سے ان کو ڈراتی ہے۔ ﴿اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ﴾ مگر وہ اسے اس طرح سنتے
 ہیں جس سے ان پر حجت قائم ہوتی ہے ﴿وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَّاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ﴾ یعنی انکے دل اپنے دنیاوی اغراض و
 مقاصد میں مستغرق ہو کر اس ”ذکر“ سے روگرداں اور ان کے جسم شہوات کے حصول باطل پر عمل پیرا ہونے اور ردی
 اقوال میں مشغول ہیں۔ جب کہ انکے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اس صفت سے متصف نہ ہوں بلکہ اسکے برعکس وہ
 اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کو قبول کریں اسے اس طرح سنیں جس سے اسکی مراد ان کی سمجھ میں آئے انکے جوارح اپنے
 رب کی عبادت میں مشغول ہوں جس کیلئے انکو پیدا کیا گیا ہے اور وہ روز قیامت حساب و کتاب اور جزا و سزا کو

ہمیشہ یاد رکھیں۔ اس طرح ہی انکے معاملے کی تکمیل ہوگی، انکے احوال درست اور انکے اعمال پاک ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ﴾ ”لوگوں کے لیے ان کا حساب قریب آ گیا ہے۔“ کی تفسیر میں اصحاب تفسیر سے دو قول منقول ہیں۔

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ یہ امت آخری امت اور یہ رسول آخری رسول ہے۔ اس رسول کی امت پر ہی قیامت قائم ہوگی گزشتہ امتوں کی نسبت قیامت اس امت کے زیادہ قریب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”مجھے اس زمانے میں مبعوث کیا گیا ہے کہ میں اور قیامت کا دن اس طرح ساتھ ساتھ ہیں۔“ اور آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور ساتھ والی انگلی کو اکٹھا کر کے دکھایا۔^①

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ”حساب“ کے قریب ہونے سے مراد موت کا قریب ہونا ہے نیز یہ کہ جو کوئی مرجاتا ہے اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے اور وہ اپنے اعمال کی جزا و سزا کے لئے دارالجزا میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ تعجب ہر اس شخص پر ہے جو غافل اور روگرداں ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ صبح یا شام کب اچانک موت کا پیغام آ جائے۔ تمام لوگوں کی یہی حالت ہے سوائے اس کے جس پر عنایت ربانی سایہ کناں ہے۔ پس وہ موت اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات کے لئے تیاری کرتا ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ذکر فرماتا ہے کہ ظالم کفار عناد اور باطل کے ذریعے سے حق کا مقابلہ کرنے کی خاطر ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ کہنے پر متفق ہیں کہ وہ تو ایک بشر ہے، کس بنا پر اسے تم پر فضیلت دی گئی ہے اور کس وجہ سے اسے تم میں سے خاص کر لیا گیا ہے اور تم میں سے کوئی اس قسم کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ بھی اسی طرح کا دعویٰ ہوگا۔ درحقیقت یہ شخص تم پر اپنی فضیلت ثابت کر کے تمہارا سردار بننا چاہتا ہے اس لئے اس کی اطاعت کرنا نہ اس کی تصدیق کرنا، یہ جادوگر ہے اور یہ جو قرآن لے کر آیا ہے وہ جادو ہے اس لئے اس سے خود بھی دور رہو اور لوگوں کو بھی اس سے متنفر کرو اور لوگوں سے کہو! ﴿اَفْتَاتُونَ السِّحْرَ وَالْاَنْتُمْ تَبْصُرُونَ﴾ یعنی اسے دیکھتے ہوئے تم اس جادو کی طرف کھینچے چلے آ رہے ہو..... حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں کیونکہ وہ بڑی بڑی آیات الہی کا مشاہدہ کرتے ہیں جن کا مشاہدہ ان کے علاوہ کسی اور نے نہیں کیا، لیکن ظلم، عناد اور بدبختی نے ان کو اس انکار پر آمادہ کیا اور جو وہ سرگوشیاں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے عنقریب وہ ان کو ان سرگوشیوں کی سزا دے گا۔

اس لئے فرمایا: ﴿قُلْ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ﴾ یعنی میرا رب جلی اور خفی ہر بات کو جانتا ہے ﴿فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ﴾

① صحیح البخاری، الرقاق، باب قول النبی ﷺ (بعثت أنا.....) ح: ۶۵۰۳ و صحیح مسلم، الجمعة، باب

تحقیف الصلاة والخطبة، ح: ۸۶۷

”آسمان اور زمین میں۔“ یعنی ہر اس جگہ میں جن کو ان دونوں کے کناروں نے گھیر رکھا ہے۔ ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ﴾ یعنی لوگوں کی زبانوں کے اختلافات اور ان کی متنوع حاجات کے باوجود ان کی آوازیں سنتا ہے۔ ﴿الْعَلِيمُ﴾ وہ دلوں کے بھید کو بھی جانتا ہے۔

بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلْ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا
بَلَّغْنَاكَ الْاَوَّلُونَ ﴿٥﴾ مَا اَمْنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا
بِجَمْعٍ مِّنْ قَبْلِهِ (پیغمبر) ○ نہیں ایمان لائے ان سے پہلے کوئی بستی (والے) کہ ہلاک کیا ہم نے انہیں،
اَفْهَمُ يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾

کیا پس وہ (اب) ایمان لے آئیں گے؟ ○

اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے قرآن عظیم پر کفار کی بہتان طرازی کا ذکر کرتا ہے کہ وہ قرآن کے بارے میں جھوٹ گھڑتے اور اس کے بارے میں مختلف باطل باتیں پھیلاتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں ”یہ پراگندہ خواب ہیں“ ایک سوئے ہوئے شخص کے ہذیانی کلام کی مانند جسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

کبھی کہتے ہیں ”یہ اس کا من گھڑت کلام ہے“ جو اس نے اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے اور کبھی کہتے ہیں ”یہ شاعر ہے“ اور جو قرآن یہ لے کر آیا ہے وہ محض شاعری ہے۔

جو کوئی واقعات اور رسول ﷺ کے احوال کی ادنیٰ سی بھی معرفت رکھتا ہے اور اس کلام میں غور کرتا ہے جسے رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں وہ ایسے جزم و یقین سے پکار اٹھتا ہے جس میں ذرہ بھر بھی شک نہیں ہوتا کہ یہ نہایت جلیل القدر اور بلند ترین کلام ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ کوئی بشر اس جیسا کلام پیش کرنے پر قادر نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کے سامنے چیلنج کیا ہے کہ وہ اس کلام کا مقابلہ کر دکھائیں، حالانکہ ان کے اندر قرآن عظیم کی مخالفت اور اس کے ساتھ عداوت کا وافر داعیہ موجود تھا۔ بایں ہمہ وہ اس کلام کا مقابلہ نہ کر سکے اور وہ یہ سب کچھ جانتے ہیں۔ ورنہ وہ کیا چیز تھی جس نے ان کو باز رکھا ان کو کانٹوں پر لوٹنے پر مجبور کیا اور ان کی زبانوں کو گنگ کر دیا؟..... وہ حق کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے جس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی؟

اور چونکہ وہ اس پر ایمان نہیں رکھتے اس لئے ایسے لوگوں کو جو اس کی معرفت نہیں رکھتے متفر کرنے کے لئے اس قسم باتیں کرتے ہیں۔ یہ قرآن عظیم ہمیشہ رہنے والا سب سے بڑا معجزہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت کی صحت اور آپ کی صداقت پر دلالت کرتا ہے اور یہ کافی وشافی ہے۔ پس جو اس کے علاوہ کوئی اور دلیل

طلب کرتا ہے اور اپنی خواہش کے مطابق معجزوں کا مطالبہ کرتا ہے، وہ جاہل اور ظالم ہے اور ان معاندین حق سے مشابہت رکھتا ہے جنہوں نے اس کی تکذیب کی، معجزات کا مطالبہ کیا جو ان کے لئے سب سے زیادہ ضرر رساں چیز ہے اور ان معجزات میں ان کے لئے کوئی بھلائی نہیں کیونکہ اگر ان کا مقصد وضوح دلیل کے ذریعے سے معرفت حق ہے تو دلیل ان معجزات کے بغیر بھی واضح ہو چکی ہے اور اگر ان کا مقصد عاجز کرنا اور معجزات کا مطالبہ پورا نہ ہونے کی صورت میں اپنے لئے عذر کا جواز پیدا کرنا ہے..... تو اس صورت میں بھی جب کہ فرض کر لیا جائے کہ ان کی خواہش کے مطابق معجزہ پیش کر دیا جائے وہ قطعاً ایمان نہیں لائیں گے۔ پس واقعہ یہ ہے کہ اگر ان کے پاس ہر قسم کا معجزہ ہی کیوں نہ آجائے تو پھر بھی وہ اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا قول نقل فرمایا: ﴿فَلْيَاْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا اُرْسِلَ الْاَوَّلُونَ﴾ ”وہ ہمارے پاس ایسی کوئی نشانی لائے جیسے پہلے پیغمبر (ان کے ساتھ) بھیجے گئے۔“ جیسے صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور اس جیسے معجزات۔

بناء بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ﴿مَا اَمَنْتُ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا اَفْهُمْ يُؤْمِنُونَ﴾ ”نہیں ایمان لائی ان سے پہلے کوئی بستی جن کو ہم نے ہلاک کیا، کیا پس یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟“ یعنی ان معجزات پر جو ان کے مطالبوں پر پیش کیے جائیں گے۔ اللہ کی سنت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو معجزے طلب کرتا ہے پھر وہ اسے دکھا دیا جاتا ہے (پھر بھی وہ ایمان نہیں لاتا تو) وہ فوری سزا سے محفوظ نہیں ہے۔ پس پہلے لوگ ان معجزات کی وجہ سے ایمان نہیں لائے تو کیا یہ ان کی وجہ سے ایمان لے آئیں گے؟ آخر ان (عربوں) کو پہلے لوگوں پر کیا فضیلت حاصل ہے اور وہ کیا بھلائی ہے جو ان کے اندر موجود ہے جو اس بات کی مقتضی ہو کہ معجزات کے صدور پر یہ ایمان لے آئیں گے؟ یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے، یعنی ان سے کبھی ایسا نہیں ہوگا کہ وہ ایمان لے آئیں۔

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوحِيْ اِلَيْهِمْ فَاَسْلَوْا اَهْلَ الدِّيَارِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَداً اَلَا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِيْنَ ۝

جانتے ۝ اور نہیں بنائے تھے ہم نے ان (رسولوں) کے ایسے جسم کہ نہ کھاتے ہوں وہ طعام، اور نہ تھے وہ ہمیشہ رہنے والے ۝

ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَانْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَّشَاءُ وَاهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝

پھر سچا کیا ہم نے ان سے وعدہ، پس نجات دی ہم نے انہیں اور جنہیں ہم چاہتے تھے، اور ہلاک کر دیا ہم نے حد سے گزرنے والوں کو ۝

یہ رسولوں کو جھٹلانے والوں کے شبہ کا جواب ہے جو یہ کہتے تھے۔ ”کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا جو کھانے پینے اور بازاروں میں گھومنے پھرنے کا محتاج نہ ہوتا؟ کوئی ایسا رسول کیوں نہ بھیجا گیا جسے دائمی زندگی عطا کی گئی ہوتی؟ جب ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ وہ رسول نہیں ہے۔“ یہ شبہ انبیاء و رسل کو جھٹلانے والوں کے دلوں میں ہمیشہ رہا

ہے۔ چونکہ اہل تکذیب کفر میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں اس لئے ان کے نظریات بھی ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔

پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کفار کو..... جو رسول اللہ ﷺ کو تو جھٹلاتے ہیں اور گزشتہ رسولوں کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں اگرچہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نبی ہوتے جن کی نبوت کا تمام گروہ اقرار کرتے ہیں؛ بلکہ مشرکین تو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ان کی ملت پر ہیں..... ان کے شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے پہلے بھی تمام رسول بشر ہی تھے جو کھانا کھاتے تھے بازاروں میں چلتے پھرتے تھے ان پر موت وغیرہ اور تمام بشری عوارض طاری ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی قوموں اور امتوں میں مبعوث فرمایا ان قوموں میں سے کسی نے ان کی تصدیق کی اور کسی نے ان کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور ان کے قبیعین سے نجات اور سعادت کا جو وعدہ کیا تھا اس نے پورا کر دیا اور اس نے حد سے بڑھنے والے اہل تکذیب کو ہلاک کر ڈالا تو محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت کے انکار کے لئے باطل شبہات قائم کئے جاتے ہیں حالانکہ یہی شبہات دیگر انبیاء و مرسلین پر بھی وارد ہوتے ہیں جن کی رسالت کا یہ لوگ اقرار کرتے ہیں جو محمد ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں..... پس ان پر یہ الزامی جواب بالکل واضح ہے۔

اگر انہوں نے کسی بشر رسول کا اقرار کیا ہے تو وہ کسی غیر بشر رسول کا اقرار ہرگز نہیں کریں گے تب ان کے شبہات باطل ہیں انہوں نے ان شبہات کے فساد اور اپنے تناقض کا اقرار کر کے خود ان شبہات کا ابطال کر لیا ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ لوگ سرے ہی سے کسی بشر کے نبی ہونے کے منکر ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ صرف دائمی زندگی رکھنے والا فرشتہ ہی نبی ہو سکتا ہے جو کھانا نہیں کھاتا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكَ لَفُضِيَ الْآمْرُ لَهُ لَا يَنْظُرُونَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكَ لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبَسُونَ﴾ (الانعام: ۹۸/۱۶) ”اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ اگر ہم نے فرشتہ اتارا ہوا ہوتا تو تمام معاملے کا فیصلہ ہو گیا ہوتا، پھر ان کو ڈھیل نہ دی جاتی اور اگر ہم نے اس کو فرشتہ بنایا ہوتا تو تب بھی اس کو بشر ہی بنایا ہوتا اور (اس طرح) ہم معاملہ ان پر مشتبہ کر دیتے جیسے اب وہ اشتباہ پیش کر رہے ہیں۔“

انسان فرشتوں سے وحی اخذ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَسْمَعُونَ مَطْبُوعِينَ لَنَزَلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًَا رَسُولًا﴾ (نبی اسرائیل: ۹۵/۱۷) ”کہہ دیجئے کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے اور اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ان کے پاس کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔“

اگر گزشتہ رسولوں کے بارے میں تمہیں کوئی شک ہے یا ان کے احوال کا علم نہیں ﴿فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ﴾ ”تو تم اہل

ذکر سے پوچھ لو۔“ یعنی کتب سابقہ رکھنے والوں سے پوچھ لو مثلاً اہل تورات اور اہل انجیل وغیرہ ان کے پاس جو علم ہے وہ اس کے مطابق تمہیں بتائیں گے کہ گزشتہ تمام رسول انسان تھے جیسے یہ انسان ہیں۔

اس آیت کریمہ کا سبب نزول انبیائے متقدمین کے بارے میں اہل کتاب سے سوال کرنے سے مختص ہے کیونکہ وہ اس بارے میں علم رکھتے تھے..... مگر یہ دین کے اصول و فروع کے تمام مسائل کے لئے عام ہے۔ جب انسان کے پاس ان مسائل کا علم نہ ہو تو وہ اس شخص سے پوچھ لے جو اس کا علم رکھتا ہے نیز اس آیت کریمہ میں علم حاصل کرنے اور اہل علم سے سوال کرنے کا حکم ہے اور اہل علم سے سوال کرنے کا اس لئے حکم دیا گیا کہ اہل علم پر تعلیم دینا اور اپنے علم کے مطابق جواب دینا فرض ہے۔ اہل علم اور اہل ذکر سے سوال کرنے کی تخصیص سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جو شخص جہالت اور عدم علم میں معروف ہو اس سے سوال کرنے کی ممانعت ہے اور اس شخص کے لئے بھی جواب دینے کے درپے ہونا ممنوع ہے۔

اس آیت میں اس امر پر دلیل ہے کہ عورتیں نبی نہیں ہوئیں، حضرت مریم ؑ نبی تھیں نہ کوئی اور عورت۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّ رَجُلًا﴾ یعنی ہم نے صرف مرد ہی نبی بنا کر بھیجا۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰

البتہ تحقیق نازل کی ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب، اس میں ذکر ہے تمہارا، کیا پس نہیں تم سمجھتے؟ ۱۰

اے وہ لوگو! جن کی طرف محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب (ﷺ) کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، ہم نے تمہاری طرف ایک جلیل القدر کتاب اور ایک واضح قرآن نازل کیا ﴿فِيْهِ ذِكْرُكُمْ﴾ یعنی جو کچھ اس میں کچھ باتیں بیان کی گئیں ہیں اگر تم اس سے نصیحت پکڑو، انہیں اپنا اعتقاد بناؤ اس کے احکام کی تعمیل کرو اور اس کے نواہی سے اجتناب کرو تو اس میں تمہارا شرف و فخر اور تمہاری سر بلندی ہے، تمہاری قدر بڑھے گی اور تمہارا معاملہ عظیم ہو جائے گا۔ ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا تم ان معاملات کو نہیں سمجھ سکتے جن میں تمہارا نفع و نقصان ہے؟ تم اس چیز پر کیوں عمل پیرا نہیں ہوتے جس میں تمہارا ذکر اور جس میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کا شرف ہے؟ اگر تم میں عقل ہوتی تو تم اسی راستے پر گامزن ہوتے۔

چونکہ تم اس راستے پر نہیں چلے بلکہ تم نے کوئی دوسرا راستہ اختیار کر لیا ہے جس میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی ذلت اور تحقیر ہے اور جس کی منزل تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بدبختی ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ تم صحیح معقولات اور رائج آراء سے تہی دامن ہو، جو کچھ واقع ہوا یہ آیت کریمہ اس کا مصداق ہے۔ کیونکہ رسول اللہ (ﷺ) پر ایمان لانے والے صحابہ کرام اور بعد میں آنے والے اہل ایمان نے اس قرآن سے نصیحت پکڑی تو انہیں غلبہ سر بلندی، عظیم شہرت اور بادشاہوں پر سرداری حاصل ہوئی اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہر شخص جانتا

ہے جیسے اس شخص کے بارے میں معلوم ہے جس نے اس قرآن کے ذریعے سے سر بلندی حاصل نہیں کی اس کی راہنمائی قبول نہیں کی اور اس کے ذریعے اپنے آپ کو پاک نہ کیا اس کے نصیب میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی، ذلت و رسوائی، گمنامی اور بد بختی ہے۔ پس دنیا و آخرت کی سعادت تک رسائی صرف اس کتاب عظیم کے ذریعے نصیحت پکڑنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

وَكَمْ قَصَبْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۝۱۱

اور کتنی ہی تمہیں نہیں کر دیں ہم نے بستیاں کہ تھیں وہ ظالم، اور پیدا کیں ہم نے ان کے بعد قومیں دوسری ○
فَلَمَّا أَحَسُّوا بَأْسَنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ۝۱۲ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ

پس جب محسوس کیا انہوں نے ہمارا عذاب تب وہ لوگ ان (بستیوں) سے بھاگتے تھے ○ (انہیں کہا گیا) مت بھاگو تم! اور لوٹ آؤ طرف
مَا أَتَرَفْتُمْ فِيهِ وَمَسْكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْأَلُونَ ۝۱۳ قَالُوا يُوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا

ان نعمتوں کی کد سوچی دیئے گئے تھے تم نہیں، اور اپنے مکانوں کی طرف تاکہ تم پوچھتے جاؤ انہوں نے کہا ہائے ہماری کم بختی ابلا شبہ ہم تھے
ظَالِمِينَ ۝۱۴ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوُهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خِلْدِينَ ۝۱۵

ظالم ○ پس ہمیشہ رہی یہی پکار ان کی، یہاں تک کہ کر دیا ہم نے انہیں کٹی کھتی (کی طرح) بجھے ہوئے (مردہ) ○
اللہ تبارک و تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے والے ظالموں کو ان قوموں کے انجام سے ڈراتا ہے جنہوں

نے دیگر انبیاء و مرسلین کی تکذیب کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَكَمْ قَصَبْنَا﴾ ”اور کتنی ہی ہم نے ہلاک کر دیں۔“
یعنی جڑ کانٹے والے عذاب کے ذریعے سے ﴿مِنْ قَرْيَةٍ﴾ ”بستیاں“ جنہوں نے اپنے انجام کو نظر انداز کیا۔
﴿وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ﴾ ”اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوموں کو پیدا کیا۔“

جب ان ہلاک ہونے والوں نے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کے عقاب کے نزول کو دیکھ لیا تو ان کے لئے
لوہنا ممکن نہ رہا اور اس عذاب سے رہائی پانے کا ان کے پاس کوئی راستہ نہ رہا تو وہ تو صرف ندامت، افسوس اور اپنے
کر تو توں پر حسرت کے مارے زمین پر پاؤں پٹختے تھے، تو تمسخر اور ٹھٹھے کے انداز میں ان سے کہا گیا: ﴿لَا

تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أَتَرَفْتُمْ فِيهِ وَمَسْكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْأَلُونَ﴾ یعنی اب ندامت کا اظہار کرنے اور ایڑیاں
مارنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر تم قدرت رکھتے ہو تو اپنی لذتوں اور شہوتوں بھری خوشحال زندگی اپنے
آراستہ اور مزین گھروں اور اس دنیا کی طرف واپس لوٹ کر دکھاؤ جس نے تمہیں دھوکے میں ڈال کر غافل رکھا تھا
یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آن پہنچا۔ پس واپس لوٹ کر دنیا میں ڈیرے ڈال دو اس کی لذات کی خاطر جرائم کا

ارتکاب کرو اپنے گھروں میں اطمینان کے ساتھ بڑے بن کر رہو۔ شاید اپنے امور میں تم پھر مقصود بن جاؤ اور دنیا
کے معاملات میں پھر تم سے جواب دہی کی جائے جیسا کہ پہلے تمہارا حال تھا..... لیکن یہ بہت بعید ہے۔ اب دنیا

میں کیسے واپس جایا جاسکتا ہے وہ وقت ہاتھ سے نکل گیا اور ان پر اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کا عذاب نازل ہو گیا ان کا عز و شرف ختم ہو گیا اور ان کی دنیا بھی فنا ہو گئی اور ندامت اور حسرت ان کا نصیب بن گئی۔

اسی لئے: ﴿قَالُوا يُونُسُ اِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ فَمَا ذَٰلِكَ بِكَ دَعْوُهُمْ﴾ ”انہوں نے کہا ہائے افسوس! ہم ہی ظالم تھے تو ان کی یہی پکار رہی یعنی وہ پکار پکار کر کہتے رہے کہ ہائے ہم تباہ و برباد ہو گئے انہوں نے ندامت کا اظہار کیا اور اس حقیقت کا اعتراف کیا۔ کہ خود انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا اللہ تعالیٰ نے عذاب بھیجنے میں ان کے ساتھ انصاف کیا ہے ﴿حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خِلْدَيْنَ﴾ ”یہاں تک کہ کر دیا ہم نے ان کو کٹے ہوئے کھیت اور بھیجنے والی آگ (کی طرح)۔“ یعنی اس نباتات کی مانند جسے کاٹ گرایا گیا ہو۔ ان کی حرکات مدہم پڑ گئیں اور آوازیں ختم ہو گئیں اس لئے اے لوگو جن کو مخاطب کیا جا رہا ہے تم افضل ترین رسول (ﷺ) کو جھٹلانے سے بچو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی اللہ کا عذاب اسی طرح نازل ہو جائے جیسے ان لوگوں پر ہوا تھا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعَيْنٍ ۝ لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَّتَّخِذَ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، کھیلنے ہوئے (بے فائدہ) اگر ہم چاہتے یہ کہ بنائیں

لَهُوَ لَا تَتَّخِذُهُ مِنْ لَدُنَّا ۝ اِنْ كُنَّا فَعِلِينَ ۝

کوئی کھیل تماشہ تو البتہ بنا لیتے ہم اس کو اپنے پاس سے اگر ہوتے ہم (یہ کام) کریں والے ۝

اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے زمین اور آسمان کو کھیل تماشے کے طور پر عبت اور بے فائدہ پیدا نہیں کیا بلکہ ان کو حق کے ساتھ اور حق کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ بندے اس کائنات سے استدلال کریں کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، عظمت والا، کائنات کی تدبیر کرنے والا، حکمت والا اور رحمان و رحیم ہے جو کمال کمالی ہر قسم کی تعریف اور تمام تر عزت کا مالک ہے۔ وہ اپنے قول میں سچا ہے اس کے رسول بھی اس کی طرف سے خبر دینے میں سچے ہیں۔ وہ قادر ہستی جو زمین و آسمان کو ان کی وسعت اور عظمت کے ساتھ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ جسموں کے مرنے کے بعد ان کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قدرت رکھتی ہے تاکہ نیک کو اس کی نیکی کی جزا اور بد کو اس کی بدی کی سزا دے۔

﴿لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَّتَّخِذَ لَهُوَ﴾ ”اگر ہم کھیل تماشے ہی کا ارادہ کرتے“ یعنی بفرض محال اگر یہ تسلیم کر لیا جائے

﴿لَا تَتَّخِذُهُ مِنْ لَدُنَّا﴾ ”تو ہم اسے بنا لیتے اپنی ہی طرف سے۔“ ﴿اِنْ كُنَّا فَعِلِينَ﴾ ”اگر ہوتے ہم کرنے

والے۔“ اور کھیل تماشے کی بابت تمہیں مطلع بھی نہ کرتے کیونکہ یہ نقص اور برا وصف ہے جسے ہم تمہیں دکھانا پسند نہ کرتے۔ یہ زمین و آسمان جو ہمیشہ سے تمہارے سامنے ہیں، ممکن نہیں کہ ان کو عبت اور کھیل تماشے کے مقصد سے پیدا کیا گیا ہو۔ یہ سب کچھ موٹی عقل کے لوگوں کی سطح پر اتر کر کہا گیا ہے تاکہ ان کو ہر لحاظ سے مطمئن کیا جائے۔

پس پاک ہے وہ ذات جو حلم والی رحم کرنے والی اور حکمت والی ہے وہ تمام اشیاء کو ان کے اپنے مقام پر رکھنے میں

حکمت سے کام لیتی ہے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمْ الْوَيْلُ

بلکہ ہم پھینک دیتے ہیں حق کو باطل پر (کے سر) کے تو وہ اس کا سر پھوڑ دیتا ہے، پس ایک دم مٹ جانے والا ہو جاتا ہے اور تمہارے لئے ہلاکت ہے

مِمَّا تَصِفُونَ ۱۸ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ

بوجہ ان باتوں کے جو تم (اللہ کی بابت) بیان کرتے ہو ○ اور اسی کا ہے جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جو اسکے پاس ہیں نہیں تکبر کرتے وہ

عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ۱۹ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْطُرُونَ ۲۰

اس کی عبادت سے اور نہ وہ تھکتے ہیں ○ وہ تسبیح کرتے ہیں (اس کی) رات اور دن نہیں سستی کرتے وہ (اس سے) ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے احقاق حق اور ابطلال باطل کی ذمہ داری لی ہے۔ باطل خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ حق، علم اور بیان نازل کرتا ہے جس سے باطل پر ضرب لگتی ہے پس باطل مضطرب ہو جاتا ہے اور اس کا بطلان ہر ایک پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ ﴿فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ یعنی مضطرب ہو کر فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے اور تمام دینی مسائل میں یہی اصول عام ہے جب بھی کوئی باطل پرست شخص باطل کو حق ثابت کرنے یا حق کو رد کرنے کے لئے کوئی عقلی یا نقلی شبہ وارد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے عقلی اور نقلی دلائل میں اتنا زور ہوتا ہے کہ وہ اس قول باطل کو زائل کر کے اس کا قلع قمع کر دیتا ہے اور یوں اس کا بطلان ہر شخص پر واضح ہو جاتا ہے۔ اگر تمام مسائل میں ایک ایک مسئلہ کا استقراء کیا جائے تو آپ اس اصول کو اسی طرح پائیں گے۔

پھر ارشاد فرمایا: ﴿وَلَكُمْ﴾ ”اور تمہارے لیے۔“ اے لوگو! جو اللہ تعالیٰ کو ان صفات سے موصوف کرتے ہو جو اس کے شایان شان نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا بیٹا، بیوی، اس کے ہمسر اور شریک قرار دینا۔ ان باطل باتوں میں سے تمہارا حصہ اور تمہارا نصیب ہے کہ اس پاداش میں تمہارے لئے ہلاکت، ندامت اور خسارہ ہے تم نے جو کچھ کہا ہے اس میں تمہارے لئے کوئی فائدہ ہے نہ تمہارے لئے کوئی بھلائی، جس کی خاطر تم عمل کر رہے ہو اور جہاں پہنچنے کے لئے تم کوشاں ہو۔ البتہ تمہارے مقصود و مطلوب کے برعکس، تمہارے نصیب میں ناکامی اور محرومی ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ زمین، آسمان اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ پس تمام مخلوق اس کی غلام اور مملوک ہے۔ زمین و آسمان کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کی ملکیت ہے نہ اس میں کسی کا حصہ ہے نہ اس اقتدار میں اس کا کوئی معاون ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کر سکے گا۔ پھر کیسے ان کو معبود بنایا جاسکتا ہے اور کیسے ان میں سے کسی کو اللہ کا بیٹا قرار دیا جاسکتا ہے؟..... بالا و بلند اور پاک ہے وہ ہستی جو مالک اور عظمت والی ہے جس کے سامنے گردنیں جھکی ہوئی، بڑے بڑے سرکش سراقندہ اور جس کے حضور مقرب فرشتے عاجز اور فروتن ہیں اور سب اس کی دائمی عبادت میں مصروف ہیں۔

بناء بریں فرمایا: ﴿وَمَنْ عِنْدَنَا﴾ اور جو اس کے پاس ہیں۔ یعنی فرشتے ﴿لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ﴾ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ﴿وہ اس کی عبادت سے انکار کرتے ہیں نہ وہ تھکتے ہیں۔ یعنی شدت رغبت، کامل محبت اور اپنے بدن کی طاقت کی وجہ سے اس کی عبادت سے تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں۔

﴿يُسَبِّحُونَ آتِيلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْثُونَ﴾ یعنی وہ اپنے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی تسبیح و تحمید میں مستغرق رہتے ہیں۔ ان کے اوقات میں کوئی وقت فارغ ہے نہ عبادت سے خالی ہے۔ وہ اپنی کثرت کے باوصف اس صفت سے متصف ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال اس کی قدرت اس کے کامل علم و حکمت کا بیان ہے جو اس امر کا موجب ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت کی جائے نہ عبادت کو غیر اللہ کی طرف پھیرا جائے۔

أَمْ اتَّخَذُوا إِلَهًا مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنْشِرُونَ ﴿٢١﴾ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ
کیا بنائے ہیں انہوں نے معبود زمین میں سے کہ وہ زندہ کر دیں گے (مردوں کو)؟ اگر ہوتے ان (آسمان و زمین) میں کئی معبود سوائے اللہ کے
لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَنَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٢٢﴾ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ
تو البتہ بگڑ جاتے وہ دونوں پس پاک ہے اللہ جو رب ہے عرش کا ان سے جو وہ بیان کرتے ہیں ○ نہیں پوچھا جاسکتا اس سے اس چیز کی بابت جو وہ کرتا ہے
وَهُمْ يُسْأَلُونَ ﴿٢٣﴾ أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهًا ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۚ
جبکہ وہ (لوگ) پوچھے جائیں گے ○ کیا بنائے ہیں انہوں نے سوائے اس کے اور معبود؟ کہہ دیجئے! لاؤ تم دلیل اپنی
هَذَا ذِكْرٌ مِّنْ مَّعْبُوحٍ ۚ قُلْ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ ۚ فَهُمْ
یہ (توحید ہی) ذکر ہے ان لوگوں کا جو میرے ساتھ ہیں اور ذکر ہے ان لوگوں کا جو مجھ سے پہلے تھے بلکہ اکثر انکے نہیں جانتے حق کو، پس وہ
مُعْرِضُونَ ﴿٢٤﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْهِ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا
اعراض کر نیوالے ہیں ○ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر وحی کرتے تھے ہم اس کی طرف (یہ بات) کہ بلاشبہ نہیں کوئی
إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾

معبود مگر میں ہی سو تم عبادت کرو میری ہی ○

اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل اقتدار اور اپنی عظمت کا ذکر کرنے اور اس حقیقت کو بیان کرنے کے بعد کہ ہر چیز اس کے سامنے سرنگوں ہے، مشرکین پر تکبر کی جنہوں نے اللہ کے سوا زمین سے معبود بنائے ہیں جو انتہائی عاجز اور قدرت سے محروم ہیں۔ ﴿هُم يُنْشِرُونَ﴾ وہ ان کو ان کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر سکیں گے؟ یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے، یعنی وہ ان کے حشر و نشر پر قادر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتا ہے۔ ﴿وَإِتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهًا لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا

وَلَا نَنْفَعُ وَلَا نَنْصُرُ وَلَا يَنْبَغُ لَنَا مَوْتًا وَلَا حَيَوَةً وَلَا نُشَوِّرُ﴾ (الفرقان: ۳/۲۵) ”انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر ایسے الہ بنا لئے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو خود پیدا کئے جاتے ہیں وہ خود اپنے لئے کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں نہ نفع کا اور نہ وہ موت و حیات کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کا۔“ اور فرمایا: ﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهَةً لَعَلَّهُمْ يُنْصَرُونَ﴾ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُحْصَرُونَ﴾ (یس: ۷۴/۷۵) ”انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنائے ہیں شاید کہ ان کی طرف سے ان کی مدد کی جائے (حالانکہ) وہ ان کی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ تو خود ان کے لشکری ہیں حاضر کیے ہوئے۔“

پس مشرک مخلوق کی عبادت کرتا ہے جو کسی نفع و نقصان کی مالک نہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص کو ترک کر دیتا ہے جو تمام کمالات کا مالک ہے اور تمام معاملات اور نفع و نقصان اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ یہ تو فیتق سے محرومی اس کی بد قسمتی اس کی جہالت کی فراوانی اور اس کے ظلم کی شدت ہے۔ یہ وجود کائنات صرف ایک ہی الہ کے لئے درست اور لائق ہے اور اس وجود کائنات میں صرف ایک ہی رب موجود ہے اس لئے فرمایا ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا﴾ اگر ہوتے زمین اور آسمان میں ﴿إِلَهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ ”کئی معبود اللہ کے سوا تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے۔“ خود زمین و آسمان فساد کا شکار ہو جاتے اور زمین و آسمان میں موجود تمام مخلوق میں فساد برپا ہو جاتا۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ عالم علوی اور عالم سفلی..... جیسا کہ نظر آ رہا ہے بہترین اور کامل ترین انتظام کے تحت چل رہے ہیں جس میں کوئی خلل ہے نہ عیب جس میں کوئی اختلاف ہے نہ معارضہ..... پس کائنات کا یہ انتظام دلالت کرتا ہے کہ ان کی تدبیر کرنے والا ان کا رب اور ان کا معبود ایک ہے۔ اگر اس کائنات کی تدبیر کرنے والے اور اس کے رب دو یا دو سے زیادہ ہوتے تو اس کا پورا انتظام درہم برہم ہو جاتا اور اس کے تمام ارکان منہدم ہو جاتے کیونکہ دونوں معبود ایک دوسرے کے معارض ہوتے اور ایک دوسرے کے انتظام سے مزاحم ہوتے۔ جب ان دو معبودوں میں سے ایک معبود کسی چیز کی تدبیر کا ارادہ کرتا اور دوسرا اس کو معدوم کرنے کا ارادہ کرتا تو بیک وقت دونوں کی مراد کا وجود میں آنا محال ہوتا اور دونوں میں سے کسی ایک کی مراد کا پورا ہونا دوسرے کے عجز اور اس کے عدم اقتدار پر دلالت کرتا ہے اور تمام معاملات میں کسی ایک مراد پر دونوں کا متفق ہونا ناممکن ہے تب یہ حقیقت متعین ہوگئی کہ وہ غالب و قاهر ہستی جس کی اکیلی ہی کی مراد بغیر کسی مانع کے وجود میں آتی ہے وہ اللہ واحد و قہار ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے باہم ممانعت کی دلیل یہ بیان فرمائی۔ ﴿مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلِيٍّ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذْ أَذْهَبَ كُلَّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ﴾ (المؤمنون: ۹۱/۹۲) ”اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا اور نہ کوئی دوسرا معبود ہی اس کی عبودیت میں اس کے ساتھ شریک ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو لے کر علیحدہ ہو جاتا اور غالب آنے کے لئے ایک دوسرے پر چڑھائی کرتے۔ جن اوصاف سے تم اسے

موصوف کر رہے ہو اللہ ان سے پاک ہے۔“ اور ایک تفسیر کے مطابق درج ذیل آیت بھی اسی تمناع کی دلیل ہے۔

﴿قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذْ الْأَبَتُغُوا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ۖ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا﴾ (بنی اسرائیل: ۲۱/۴۳) ”کہہ دیجئے اگر اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں تو عرش کے مالک تک پہنچنے کے لیے کوئی راستہ ضرور تلاش کرتے، وہ پاک اور بلند و بالا ہے ان باتوں سے جو یہ مشرکین کہہ رہے ہیں۔“ اسی لئے فرمایا: ﴿فَسُبْحَنَ اللّٰهُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے ہر نقص سے کیونکہ وہ اکیلا کمال کا مالک ہے ﴿رَبُّ الْعَرْشِ﴾ ”رب ہے عرش کا۔“ وہ عرش جو مخلوقات کی چھت تمام مخلوقات سے زیادہ وسیع اور سب سے بڑا ہے لہذا اس سے کمتر مخلوق کے لیے اس کا رب ہونا تو بطریق اولیٰ ثابت ہے۔ ﴿عَمَّا يَصِفُونَ﴾ یعنی یہ منکرین حق اور کفار جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا اور بیوی ہے کسی بھی لحاظ سے اس کا کوئی شریک ہے۔ ان سب باتوں سے وہ پاک ہے۔

﴿لَا يَسْتَلْ عَمَّا يَفْعَلُ﴾ ”نہیں پوچھا جائے گا اس سے (اس کی بابت) جو وہ کرتا ہے۔“ اس کی طاقت اس کے غلبہ اور اس کی کامل قدرت کی بنا پر کوئی اس کے افعال میں قول یا فعل کے ذریعے مزاحم نہیں ہو سکتا اس نے اپنی حکمت کا ملکہ کی بنا پر تمام اشیاء کو ان کے لائق مقامات پر رکھا ہے ان کو نہایت مہارت سے تخلیق کیا اور ہر چیز کو احسن طریقے سے بنایا عقل جس کا اندازہ کر سکتی ہے۔ اس پر سوال وارد نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی تخلیق میں کوئی خلل اور نقص نہیں۔ ﴿وَهُمْ﴾ یعنی تمام مخلوقات ﴿يَسْأَلُونَ﴾ یعنی اپنے افعال و اقوال کے بارے میں جواب دہ ہیں کیونکہ وہ عاجز محتاج اور غلام ہیں۔ وہ خود اپنی ذات پر یا کسی دوسرے پر ذرہ بھر اختیار نہیں رکھتے۔

پھر اللہ تعالیٰ مشرکین کے احوال کی تحقیر کی طرف لوٹتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا بہت سے معبود بنا لئے ہیں لہذا ان کو زبردستی تو بخ کرتے ہوئے کہو! ﴿أَوِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ﴾ یعنی اپنے موقف کی صحت پر حجت اور دلیل لاؤ مگر وہ کبھی دلیل نہ لاسکیں گے بلکہ اس کے برعکس ان کے اس موقف کے بطلان پر قطعی دلائل دلالت کرتے ہیں اس لئے فرمایا: ﴿هَٰذَا إِذْ كُرَّمْنَا مَعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِي﴾ یعنی تمام آسمانی کتابیں اور شریعتیں ابطال شرک کے بارے میں میرے موقف کی صحت پر متفق ہیں۔ یہ اللہ کی کتاب ہے جس میں عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ ہر چیز کا ذکر موجود ہے اور یہ سابقہ تمام کتب ہیں یہ بھی میرے موقف پر واضح دلیل اور برہان ہیں اور چونکہ یہ حقیقت معلوم ہے کہ ان کے موقف کے بطلان پر حجت و برہان قائم ہو گئی اس لئے صاف ظاہر ہو گیا کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں کیونکہ دلیل و برہان قطعی طور پر فیصلہ کر دیتی ہے کہ اس کا کوئی معارض نہیں۔ اگر بظاہر کچھ معارضات موجود ہوں تو یہ محض شبہات ہیں جو حق کے مقابلے میں کسی کام نہیں آ سکتے۔

﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ یعنی وہ اپنے اسلاف کی تقلید کی بنا پر اپنے باطل موقف پر قائم ہیں اور بغیر

کسی علم اور ہدایت کے جھگڑا کرتے ہیں۔ ان کا حق کے علم سے محروم ہونے کا باعث یہ نہیں کہ حق مخفی ہے بلکہ اس محرومی کا سبب ان کی حق سے روگردانی ہے۔ ورنہ اگر انہوں نے حق کی طرف ادنیٰ سا التفات بھی کیا ہوتا تو حق ان پر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَهُمْ مُعْرِضُونَ﴾ پس وہ اعراض کرنے والے ہیں۔“

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیائے متقدمین کا ذکر فرمایا اور حکم دیا کہ اس مسئلے کی توضیح و تبیین کے بارے میں ان کی طرف رجوع کیا جائے اس لئے اس مسئلہ کو اپنے اس ارشاد مقدس میں مکمل طور پر واضح فرما دیا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ پس آپ ﷺ سے پہلے آنے والے تمام انبیاء و مرسلین کی دعوت اور ان کی کتابوں کا لب لباب اور مقصد وحید اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کا حکم اور اس حقیقت کو کھول کر بیان کرنا ہے کہ صرف وہی معبود برحق ہے اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت باطل ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ بَلَا تَبَات (کرنے) میں، اور وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں ○ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿٢٨﴾ اور وہ (فرشتے) نہیں سفارش کریں گے مگر واسطے اسی شخص کے (جس کیلئے) اللہ پسند کرے گا، اور وہ اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں ○ وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِنْ دُونِهِ فَذَلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ط اور جو کوئی بھی کہے ان میں سے کہ بے شک میں معبود ہوں سوائے اس (اللہ) کے، تو وہ شخص سزا دیں گے ہم اسے جہنم کی

كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٢٩﴾

اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں ظالموں کو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ رسول (ﷺ) کی تکذیب کرنے والے مشرکین کی سفاہت اور ان کے زعم باطل کے بارے میں خبر دیتا ہے..... ان کا برا ہو..... کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا بیٹا بنایا ہے اور وہ ہرزہ سرائی کرتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس ہرزہ سرائی سے بلند و بالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے اوصاف کے متعلق آگاہ فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے مرہون بندے اور اس کے دست تدبیر کے تحت مجبور ہیں اور انہیں کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں لائق تکریم ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت اور کرامت کے مستحق بندوں میں شامل کیا ہے انہیں رذائل سے پاک اور بے شمار فضائل سے مختص فرمایا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے

حضور انتہائی باادب اور اس کے احکامات کی تعمیل کرنے والے ہیں۔

﴿لَا يَسْأَلُونَكَ بِالْقَوْلِ﴾ تدبیر مملکت کے متعلق اس وقت تک کوئی بات نہیں کرتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ ارشاد نہ فرمائے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور کامل طور پر مودب اور اللہ تعالیٰ کے کمال علم و حکمت سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ ﴿وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ﴾ وہ انہیں جو بھی حکم دیتا ہے وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں اور جس کام پر انہیں لگاتا ہے وہ اسے سرانجام دیتے ہیں۔ وہ لمحہ بھر کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں نہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نظر انداز کر کے اپنی خواہشات نفس کے پیچھے لگتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے۔ ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ماضی اور مستقبل کے تمام معاملات کا علم رکھتا ہے وہ اس کے احاطہ علم سے اسی طرح باہر نہیں نکل سکتے جیسے وہ اس کے دائرہ امر و تدبیر سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے۔ ان کے اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ وہ کسی بات میں اللہ تعالیٰ سے سبقت نہیں کر سکتے اور نہ اس کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر کسی کی سفارش کر سکتے ہیں اس لئے جب اللہ تعالیٰ ان کو اجازت دیتا ہے اور جس کے بارے میں وہ سفارش کرنا چاہتے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے تب وہ سفارش کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ صرف اسی قول و عمل سے راضی ہوتا ہے جو خالص اسی کی رضا کے لئے اور رسول (ﷺ) کی اتباع میں کیا گیا ہو..... یہ آیت کریمہ شفاعت کے اثبات پر دلالت کرتی ہے نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے شفاعت کریں گے۔ ﴿وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ﴾ یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس کے جلال کے سامنے سرنگوں اور اس کے غلبہ و جمال کے سامنے سراگندہ ہیں۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ الوہیت میں ان (فرشتوں) کا کوئی حق نہیں اور نہ وہ عبادیت ہی کا کوئی استحقاق رکھتے ہیں کیونکہ وہ ایسی صفات سے متصف ہیں جو عدم استحقاق کا تقاضا کرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ذکر فرمادیا کہ الوہیت میں بھی ان کا کوئی حصہ نہیں اور نہ مجرد دعویٰ سے الوہیت کا استحقاق ثابت ہوتا ہے اور ان میں سے جو کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ﴿إِنِّي إِلَهٌ مِّنْ دُونِهِ﴾ کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں، یعنی فرض کیا اگر ان میں سے کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے ﴿فَذَلِكْ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ﴾ تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے اسی طرح ہم ظالموں کو جزا دیتے ہیں۔ اور اس سے بڑا اور کونسا ظلم ہو سکتا ہے کہ ایک ناقص مخلوق جو ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے، خصائص الوہیت و ربوبیت میں اللہ تعالیٰ کی شریک ہونے کا دعویٰ کرے؟

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ط

کیا انہیں دیکھا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا، کہ بلاشبہ آسمان اور زمین تھے باہم ملے ہوئے؟ پھر الگ الگ کیا ہم نے ان دونوں کو

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۰﴾

اور بنائی ہم نے پانی سے ہر چیز جاندار کیا پس نہیں ایمان لاتے وہ؟ ○

کیا ان لوگوں نے..... جنہوں نے اپنے رب سے کفر کیا اور عبودیت کو اس کے لئے خالص کرنے سے انکار کیا..... ان نشانیوں کو نہیں دیکھا جو عیاں طور پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی رب محمود و کریم اور معبود ہے۔ وہ زمین و آسمان کا مشاہدہ کرتے ہیں وہ ان کو ایک دوسرے سے جڑا ہوا پاتے ہیں آسمان میں کوئی بادل ہوتا ہے نہ بارش زمین مردہ ہے آب و گیاہ اور بنجر دکھائی دیتی ہے پھر ہم دونوں کو جدا کر دیتے ہیں آسمان کو پانی کے ذریعے سے اور زمین کو نباتات کے ذریعے سے۔

کیا وہ ہستی جو آسمان پر بادل وجود میں لائی تھی جبکہ آسمان بالکل صاف تھا کہیں بادل کا کلکڑا نظر نہیں آتا تھا پھر اس نے اس میں بہت سا پانی ودیعت کیا پھر وہ ہستی اس بادل کو ایک ایسی مردہ زمین پر لے گئی جہاں پانی کی نایابی کی وجہ سے اس کے کناروں تک خاک اڑتی تھی۔ پس اس نے اس مردہ زمین میں بارش برسائی اور وہ لہلہا اٹھی حرکت کرنے اور بڑھنے لگی اور اس نے مختلف انواع اور متعدد فوائد کی خوشنما نباتات اگائی۔ کیا یہ سب کچھ اس بات کی دلیل نہیں کہ صرف وہی حق ہے اور اس کے سوا سب باطل ہے وہی مردوں کو زندہ کرے گا وہی رحمن و رحیم ہے؟ اس لئے فرمایا ﴿اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ یعنی کیا وہ صحیح طور پر ایمان نہیں لاتے جس میں کوئی شک ہو نہ شرک۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے دلائل آفاقی شمار کرتے ہوئے فرمایا:

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيًّۢاۤ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْۚ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًاۭ سُبُلًاۭ

اور بنائے ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ تاکہ (نہ) جھک پڑے وہ (کسی ایک طرف) انہیں لے کر اور بنائے ہم نے انہیں کشادہ راستے

لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًاۭ ۭ وَهَمَّ عَنْ اٰیٰتِهَا

تاکہ وہ (لوگ) راہ پائیں ۝ اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت محفوظ اور وہ اس (آسمان) کی نشانیوں سے

مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاٰیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط

اعراض کرنے والے ہیں ۝ اور وہی ہے (اللہ) جس نے پیدا کئے رات اور دن اور سورج اور چاند،

كُلٌّ فِیْ فَلَكٍۭ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾

سب اپنے اپنے مدار میں تیرتے ہیں ۝

یعنی یہ بات اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کے کمال اس کی وحدانیت اور رحمت پر دلیل ہے کہ جب زمین میں پہاڑوں کے بغیر ٹھہراؤ نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے ذریعے سے اس میں ٹھہراؤ پیدا کیا تاکہ وہ بندوں کیساتھ جھک نہ جائے یعنی زمین میں اضطراب پیدا نہ ہو اور بندے سکون اور کھیتی باڑی کرنے سے محروم نہ رہ جائیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ زمین میں ٹھہراؤ نہ رہے..... اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے ذریعے سے زمین کو ٹھہراؤ عطا کیا تب اس سبب سے بندوں کو جو بہت سے مصالح اور منافع حاصل ہوئے وہ محتاج وضاحت نہیں۔

چونکہ پہاڑ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور ان میں بہت زیادہ اتصال ہے۔ اگر اسی حالت اتصال میں بڑے بڑے پہاڑ اور بلند چوٹیاں ہوتیں تو بہت سے شہروں کا آپس میں رابطہ نہ رہتا، اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور بندوں پر اس کی رحمت ہے کہ اس نے پہاڑوں کے درمیان راستے بنائے، یعنی آسان راستے جن پر چلنا مشکل نہ ہو، تاکہ وہ اپنی مطلوبہ منزلوں تک پہنچ سکیں اور شاید وہ اسی طرح احسان کرنے والی اس ہستی کی وحدانیت پر اس سے استدلال کر کے راہ ہدایت پالیں۔

﴿وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَفْفًا﴾ یعنی آسمان کو اس زمین کے لئے چھت بنایا جس پر تم رہ رہے ہو ﴿مَحْفُوظًا﴾ یعنی گرنے سے محفوظ۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُسْكِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا﴾ (فاطر: ۴۱/۳۵) ”بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو تھام رکھا ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں۔“ نیز اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو شیاطین کے سنگین لینے سے بھی محفوظ کر رکھا ہے۔

﴿وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ﴾ یعنی وہ اس کی آیات سے غافل اور لہو لعب میں مبتلا ہیں۔ یہ آسمان کی تمام نشانیوں کے لئے عام ہے، مثلاً اس کی بلندی، کشادگی، عظمت، اس کے حسین رنگ، حیرت انگیز مہارت سے اس کی مضبوطی وغیرہ نیز اس میں بہت سی دیگر نشانیوں کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، مثلاً ستارے، سیارے، روشن سورج اور چاند جورات اور دن کے وجود کا باعث بنتے ہیں اور ہمیشہ سے اپنے افلاک میں تیر رہے ہیں۔ اسی طرح ستارے اپنے اپنے فلک میں رواں دواں ہیں۔

پس اس سبب سے بندوں کے مصالح پورے ہوتے ہیں، مثلاً گرمی سردی کا پیدا ہونا، موسموں کا تغیر و تبدل، جس سے بندے اپنی عبادات اور دیگر معاملات کا حساب رکھتے ہیں، رات کے وقت راحت اور سکون پاتے ہیں اور دن کے وقت اپنی معاش کے حصول کے لئے زمین میں پھیل جاتے ہیں۔ ان تمام امور کی تدبیر ایک دانا و بینا ہستی کر رہی ہے اور وہ نہایت توجہ سے اس پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اس سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک وقت مقرر اور حتمی مدت تک کے لئے بنایا ہے تاکہ اس دوران میں اپنے مصالح و منافع حاصل کر لیں اور فائدہ اٹھالیں۔ اس کے بعد یہ سب کچھ زائل ہو کر مضطرب ہو جائے گا اور وہ ہستی اسے فنا کے گھاٹ اتار دے گی جو اسے وجود میں لائی ہے، وہ ہستی اس کو ن و مکاں کو ساکن کر دے گی جس نے اس کو متحرک کیا ہے۔

مکلفین اس گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جائیں گے جہاں انہیں ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دنیا آخرت کے دائمی گھر کے لئے کھیتی ہے، یہ سفر کی ایک منزل ہے، مستقل قیام کی جگہ نہیں ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَايْنِ مِتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ ﴿۲۲﴾ كُلُّ

اور نہیں کیا ہم نے کسی بشر کیلئے آپ سے پہلے ہمیشہ رہنا، کیا پس اگر آپ مرجائیں تو (کیا) وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ہر

نَفْسٍ ذَاۓقَةُ الْمَوْتِ ط وَنَبِّئُكُمْ بِالْشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ط

نفس چکھنے والا ہے (تجلی) موت کی، اور ہم آزماتے ہیں تمہیں ساتھ برائی اور اچھائی کے خوب آزماتا

وَالِیْنَا تَرْجَعُونَ ﴿۲۳﴾

اور ہماری طرف ہی تم لوٹائے جاؤ گے ○

رسول اللہ ﷺ کے دشمن کہا کرتے تھے تم اس رسول ﷺ کے بارے میں گردش زمانہ کا انتظار کرو! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موت کا راستہ ایک ایسی گزرگاہ ہے جس پر سب رواں دواں ہیں۔ ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾

”اے محمد! (ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے بھی دنیا میں کسی بشر کو دائمی زندگی عطا نہیں کی۔“ اگر آپ ﷺ موت سے ہم آغوش ہوں گے تو آپ ﷺ کی طرح دیگر رسول انبیاء اور اولیاء بھی اسی راستے پر گامزن رہے ہیں جس

کی منزل موت ہے۔ ﴿اَفَايْنِ مِتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ﴾ یعنی اگر آپ ﷺ وفات پا جائیں گے تو کیا آپ ﷺ کے بعد یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے تاکہ وہ اس دائمی زندگی سے لطف اندوز ہوں؟ معاملہ اس طرح نہیں (جس

طرح انہوں نے سمجھ رکھا ہے) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی زمین پر ہے اس کی منزل فنا ہے اس لئے فرمایا: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَاۓقَةُ الْمَوْتِ﴾ ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔ یہ آیت کریمہ تمام خلائق کے نفوس کو شامل ہے۔

بندے کو خواہ کتنی ہی لمبی مہلت اور کتنی ہی طویل عمر کیوں نہ دے دی جائے آخر موت کا پیالہ اسے پینا ہی پڑے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس دنیا میں اپنے بندوں کو وجود بخشا، ان کو اوامر و نواہی عطا کئے ان کو خیر و شر، غنا و فقر،

عزت و ذلت اور موت و حیات کے ذریعے سے آزمائش میں مبتلا کیا تاکہ وہ دیکھے کہ فتنے کے مواقع پر کون فتنے میں مبتلا ہوتا ہے اور کون فتنے سے نجات پاتا ہے۔ فرمایا: ﴿وَالِیْنَا تَرْجَعُونَ﴾ پھر تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ

گے۔ پھر ہم تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیں گے اگر اچھے اعمال ہیں تو جزا اچھی ہوگی اگر برے اعمال ہیں تو جزا بھی بری ہوگی۔ ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ﴾ (حم السجدة: ۴۶/۴۷) ”اور آپ کا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔“

یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے بطلان پر دلالت کرتی ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کی بقاء کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ یہ ایک ایسا قول ہے جس پر کوئی دلیل نہیں، نیز یہ دلائل شرعیہ کے

بھی منافی ہے۔

وَإِذَا رَأٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْۤنَكَ اِلَّا هُزُوًا اٰلَہٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ

اور جب دیکھتے ہیں آپ کو وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، تو نہیں بناتے آپ کو مکر مذاق ہی (کہتے ہیں) کیا یہی ہے وہ جو ذکر کرتا ہے

إِلَهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَنِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٦﴾ خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُورِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿٣٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكْفُونُ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ سَءًى ۖ أَفَإِنْ لَمْ يَكْفُوكُمْ يَكْفِيكُمْ ۚ إِنَّكُمْ إِذْ لَنْ تَكُونُوا مَعَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٩﴾ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٠﴾ بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٤١﴾ وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْتُمْ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ بِمِثْرٍ وَمَا يَكُونُ لَكُمْ أَعْتَابٌ ۚ فَخَسَفْنَا عَنْكُمْ غَابِقَ الَّذِي كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٤٢﴾ وَجَاءَ الْوَعْدُ بِالْكَافِرِينَ ۚ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كُفْرُهُمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٣﴾ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٤٤﴾

پس گھیر لیا ان لوگوں کو جو ٹھٹھا کرتے تھے ان میں سے اس (عذاب) نے کہ تھے وہ ساتھ اس کے ٹھٹھا کرتے ۝

یہ ان کے کفر کی شدت کی طرف اشارہ ہے۔ مشرکین جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے تو آپ ﷺ کا تمسخر اڑاتے اور کہتے: ﴿أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ إِلَهُتَكُمْ﴾ یعنی ان کے زعم کے مطابق یہی ہے جو تمہارے معبودوں کی تحقیر کرتا ہے ان کو سب و شتم اور ان کی مذمت کرتا ہے اور ان کی برائیاں بیان کرتا ہے اس کی پروا کرو نہ اس کی طرف دھیان دو..... یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کا استہزاء اور آپ ﷺ کی تحقیر ہے جو آپ ﷺ کی صفات کمال شمار ہوتی ہیں۔ آپ ﷺ وہ اکمل و افضل ہستی ہیں جس کے فضائل و کمالات میں اخلاص اللہ غیر اللہ کی عبادت کی مذمت اور عبادت کے اصل مقام و مرتبہ کا ذکر شامل ہے۔

ذلت و استہزاء تو ان کفار کے لئے ہے جن میں ہر قسم کے مذموم اخلاق جمع ہیں۔ اگر ان میں صرف یہی عیب ہوتا کہ انہوں نے رب کریم کے ساتھ کفر کیا اور اس کے رسولوں کا انکار کیا تو اس کی وجہ ہی سے وہ مخلوق میں سب سے زیادہ گھٹیا اور ذلیل ہوتے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا رجن کا ذکر کرنا جو ان کا بلند ترین حال ہے اس کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں یا اس پر ایمان لاتے ہیں تو اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں اس لئے جب ان کا ذکر کفر اور شرک ہے تو اس کے بعد ان کے دیگر احوال کیسے ہوں گے؟

اس لئے فرمایا: ﴿وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَنِ هُمْ كَافِرُونَ﴾ ”اور وہ رحمن کے ذکر کے منکر ہیں۔“ یہاں اللہ تعالیٰ

کے اسم مبارک (الرحمن) کا ذکر کرنے میں ان کے حال کی قباحت کا بیان ہے، نیز یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ

رحمن کا کیسے کفر اور شرک کے ساتھ سامنا کرتے ہیں، حالانکہ وہ تمام نعمتیں عطا کرنے والا اور مصائب کو دور کرنے والا ہے، بندوں کے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ اسی کی طرف سے ہیں اور تمام تکلیف کو صرف وہی رفع کرتا ہے۔

﴿خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ یعنی انسان کو جلد باز پیدا کیا گیا ہے، وہ تمام امور میں عجلت پسند ہے اور ان کے وقوع میں جلدی مچاتا ہے۔ اہل ایمان کفار کے لئے عذاب میں جلدی چاہتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ کفار پر عذاب بھیجنے میں دیر کر دی گئی ہے۔ کفار تکذیب و عناد کے ساتھ روگردانی کرتے اور نزول عذاب کے لئے جلدی مچاتے ہیں اور کہتے ہیں: ﴿مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”کب ہے یہ (عذاب کا) وعدہ اگر تم سچے ہو۔“ اور اللہ تعالیٰ نہایت حلم کے ساتھ ان کو مہلت دیتا ہے ان کو مہل نہیں چھوڑتا اور ان کے لئے ایک وقت مقرر کر دیتا ہے۔ ﴿فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ (الاعراف: ۳۴) ”جب ان کا وقت مقرر آن پہنچتا ہے تو ان کے لئے ایک گھڑی بھری تاخیر ہوتی ہے نہ تقدیم۔“

اور اسی لئے فرمایا: ﴿سَأُورِيكُمْ آيَاتِي﴾ یعنی جس نے میرے ساتھ کفر کیا اور میری نافرمانی کی میں انہیں اپنے انتقام کا مزا چکھانے میں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا ﴿فَلَا تَسْتَعْجِلُون﴾ اس لئے اس کی بابت جلدی نہ مچاؤ۔ اسی طرح جو کفار کہتے تھے کہ ﴿مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ وہ فریب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یہ بات کہتے تھے کیونکہ ابھی ان کے لئے سزا مقرر نہیں ہوئی تھی اور ان پر عذاب نازل نہیں ہوا تھا۔

﴿لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ”کاش جان لیں کافر“ یعنی اپنی بری حالت کو ﴿حِينَ لَا يَكْفُفُونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ﴾ ”کہ جب نہیں روک سکیں گے وہ عذاب کو اپنے چہروں سے اور نہ اپنی پشتوں سے۔“ جب عذاب انہیں ہر جانب سے گھیر لے گا اور ہر طرف سے ان پر چھا جائے گا ﴿وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ ”اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے۔“ یعنی کوئی ان کی مدد کر سکے گا نہ وہ خود کسی کی مدد کر سکیں گے اور نہ کسی سے مدد حاصل کر سکیں گے۔ ﴿بَلْ تَأْتِيهِمْ﴾ ”بلکہ آجائے گی ان کے پاس۔“ یعنی آگ ﴿بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ﴾ ”اچانک پس وہ ان کو مہبوت کر دے گی۔“ یعنی ناگہاں ان پر ٹوٹ پڑے گی، گھبراہٹ، دہشت اور عظیم خوف انہیں ہکا بکا کر دیں گے۔ ﴿فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا﴾ ”پس وہ اس کو لوٹانے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔“ کیوں کہ وہ ایسا کرنے سے عاجز اور بہت کمزور ہوں گے۔ ﴿وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ﴾ یعنی ان کو مہلت دے کر ان پر سے عذاب موخر نہیں کیا جائے گا۔ اگر انہیں اپنی اس حالت اور انجام کا علم ہوتا تو کبھی عذاب کے لئے جلدی نہ مچاتے بلکہ عذاب سے بہت زیادہ ڈرتے۔ مگر جب یہ علم ان کے پاس نہ رہا تو انہوں نے اس قسم کی باتیں کیں۔

اور جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ساتھ کفار کے تمسخر کا ذکر فرمایا ﴿أَهَٰذَا الَّذِي يَدْعُوكَ﴾ ”الہتکم“ تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ گزشتہ قوموں کا بھی اپنے رسولوں کے ساتھ یہی رویہ تھا، چنانچہ

فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ﴾ اور آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا۔ پس گھیر لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ان میں سے استہزاء کیا تھا اس چیز نے جس کے ساتھ وہ استہزاء کرتے تھے۔ ”یعنی ان پر عذاب الہی ٹوٹ پڑا اور ان کے تمام اسباب منقطع ہو گئے اس لئے ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر بھی وہ عذاب نازل نہ ہو جائے جو گزشتہ امتوں پر نازل ہوا تھا جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔

قُلْ مَن يَكْفُرْ كُفْرًا بِالْكِتَابِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَنِ ط بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۳۱﴾ اَمَلَهُمُ الْاِلَهَةُ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُونِنَا ط لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ اَعْرَضَ كَرِيحًا لَہِی ۝ کیا ان کیلئے (اور) معبود ہیں جو بچاتے ہوں انکو ہمارے سوا؟ نہیں استطاعت رکھتے مدد کرنی اپنی ہی جانوں کی وَلَا هُمْ مِمَّنْ يَصْحَبُونَ ﴿۳۲﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَاَبَاءَهُمْ حَتَّى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ اور نہ وہ ہم (ہمارے عذاب) ہی سے محفوظ ہیں ۝ بلکہ فائدہ دیا ہم نے انکو اور انکے باپ دادا کو یہاں تک کہ طویل ہو گئیں انکی عمریں اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ط اَفَهُمُ الْغَلْبُونَ ﴿۳۳﴾ کیا پس نہیں دیکھتے وہ کہ بیشک ہم آتے زمین کو کم کرتے ہیں ہم اس کو اس کے کناروں سے؟ کیا پس وہ غالب ہیں؟ ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ ان لوگوں کی بے بسی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے جنہوں نے اللہ کے بغیر دوسرے معبود بنا لئے..... کہ وہ اپنے رب رحمان کے محتاج ہیں جس کی بے پایاں رحمت شب و روز ہر نیک اور بد پر سایہ کناں ہے چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ مَن يَكْفُرْ كُفْرًا﴾ یعنی کون تمہاری حفاظت کرتا ہے ﴿بِالْكِتَابِ﴾ ”رات کو“۔ یعنی جب تم اپنے بستر میں سو رہے اور اپنے حواس سے محروم ہوتے ہو ﴿وَالنَّهَارِ﴾ ”اور دن کو“۔ یعنی تمہارے زمین میں پھیل جانے اور تمہاری غفلت کے وقت ﴿مِنَ الرَّحْمَنِ﴾ ”رحمن کے مقابلے میں“۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کون تمہاری حفاظت کرتا ہے اس کے بغیر کوئی ہے جو تمہاری حفاظت کرتا ہو؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہاری حفاظت کرنے والا نہیں۔ ﴿بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُونَ﴾ ”بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرنے والے ہیں۔“ اسی لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کیا۔ اگر انہوں نے اپنے رب کی طرف توجہ کی ہوتی، اس کی نصیحتوں کو قبول کیا ہوتا، تو یقیناً انہیں رشد و ہدایت عطا کر دی جاتی اور ان کے معاملے میں انہیں توفیق سے نوازا دیا جاتا۔

﴿اَمَلَهُمُ الْاِلَهَةُ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُونِنَا﴾ یعنی جب ہم ان کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کرتے ہیں تو کیا ان کے خود ساختہ معبودان کو اس برائی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے شر سے بچانے کی قدرت رکھتے ہیں؟ ﴿لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِمَّنْ يَصْحَبُونَ﴾ ”نہیں طاقت رکھتے وہ خود اپنی مدد کرنے کی اور نہ وہ ہماری

طرف سے رفاقت دیے جاتے ہیں۔“ یعنی ہماری طرف سے ان کے معاملات میں ان کی مدد نہیں کی جاتی۔ جب ان کی مدد نہ کی جائے تو گویا ان کو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے محروم کر کے ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور یوں وہ کوئی فائدہ اٹھانے اور ضرر دور کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔

جو چیز ان کے اپنے کفر و شرک پر جسے رہنے کی باعث بنی اس کے بارے میں فرمایا: ﴿بَلْ مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَاَبَاءَهُمْ حَتَّىٰ طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ﴾ ہم نے مال اور اولاد کے ذریعے سے ان کی مدد کی ان کو لمبی عمریں عطا کیں تو وہ ان مقاصد کو چھوڑ کر جن کے لئے ان کو پیدا کیا گیا تھا، لہو و لعب کی بنا پر مال اور اولاد سے متمتع ہونے میں مشغول ہو گئے اور ان کی مدت مہلت طویل ہو گئی جس سے ان کے دل سخت ہو گئے ان کی سرکشی بڑھ گئی اور ان کا کفر بہت زیادہ ہو گیا۔ اگر وہ اس زمین پر دائیں بائیں مڑ کر اپنے جیسے لوگوں کا انجام دیکھتے تو ہلاک ہونے والوں کے سوا کچھ نہ پاتے اور موت کی خبر دینے والے کی آواز کے سوا کوئی آواز نہ سنتے۔ انہیں معلوم ہوتا کہ کئی تو میں پے در پے ہلاک ہو گئیں اور موت نے نفوس کو پھانسنے کے لئے ہر راستے پر پھندہ لگا رکھا ہے۔

بنا بریں فرمایا: ﴿اَفَلَا يَذَّوُنْ اَنَا نَاتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا﴾ یعنی ہم زمین کو اہل زمین کی موت اور ان کو فنا کرنے کے ذریعے آہستہ آہستہ کم کر رہے ہیں یہاں تک کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی زمین اور زمین کے رہنے والوں کا وارث ہوگا اور وہ بہترین وارث ہے اگر وہ اپنی اس حالت کو دیکھیں تو کبھی فریب میں مبتلا نہ ہوں اور کبھی اپنے کفر و شرک کے موجودہ رویے پر جسے نہ رہیں۔ ﴿اَفَهُمْ الْغَلْبُونَ﴾ کیا پس وہ غالب ہیں۔ جو اپنے زور سے اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کو روک سکتے ہوں اور اپنی طاقت سے موت سے بچ سکتے ہوں؟ کیا یہ ان کا وصف ہے کہ جس کی بنا پر وہ طول بقاء کے فریب میں مبتلا ہیں؟ یا ان کی حالت یہ ہے کہ جب ان کی ارواح کو قبض کرنے کے لئے ان کے رب کا فرشتہ ان کے پاس آئے گا تو اس کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے اور ادنیٰ سی مزاحمت پر بھی قادر نہ ہوں گے۔

قُلْ اِنَّمَا اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ اِذَا مَا يُنْذَرُونَ ﴿۳۵﴾

کہہ دیجئے! یقیناً ڈراتا ہوں میں تمہیں وحی کے ذریعے سے اور نہیں سنتے بہرے پکار کو جب وہ ڈرائے جائیں

وَلَكِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لِيَقُولُنَّ يَوْمَلْنَا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۳۶﴾

اور البتہ اگر چھو جائے انہیں ایک (ہلکاسا) جھونکا آپ کے رب کے عذاب کا تو البتہ ضرور کہیں گے وہ، ہائے ہماری کم بختی! بلاشبہ ہم ہی تھے ظالم

﴿قُلْ﴾ اے محمد! (مَلِیْئِیْمٌ) تمام لوگوں سے کہہ دیجئے ﴿اِنَّمَا اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ﴾ یعنی میں تو اللہ تعالیٰ کا رسول

ہوں جو کچھ تمہارے پاس لایا ہوں وہ اپنی طرف سے نہیں لایا نہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں نہ میں غیب

جانتا ہوں اور نہ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس چیز کے ذریعے سے تمہیں ڈراتا ہوں جو اللہ

تعالیٰ میری طرف وحی کرتا ہے۔ اگر تم نے میری دعوت پر لبیک کہی تو یہ اللہ تعالیٰ کی دعوت پر لبیک ہے وہ تمہیں اس پر ثواب عطا کرے گا اور اگر تم روگردانی کر کے اس کی مخالفت کرو گے تو میرے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں۔ اختیار تو تمام تر اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے اور تقدیر صرف اسی کی طرف سے ہے۔

﴿وَلَا يَسْمَعُ الصَّمَّةُ الدُّعَاءَ﴾ یعنی بہرہ کسی قسم کی آواز نہیں سن سکتا کیونکہ اس کی سماعت خراب ہو چکی ہے جس طرح آواز کا سننا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ آواز کو قبول کرنے والا مقام محل موجود ہو۔ اسی طرح وحی قلب و روح کے لئے زندگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کا سبب ہے لیکن اگر قلب ہدایت کی آواز کو قبول نہیں کرتا تو وہ ہدایت اور ایمان کی نسبت سے اس بہرے کی مانند ہے جو آوازوں کو نہیں سن سکتا۔ یہ مشرکین بھی ہدایت اور ایمان کی آواز سننے سے بہرے ہیں اس لئے ان کا ہدایت کو قبول نہ کرنا کوئی تعجب انگیز بات نہیں خاص طور پر اس حالت میں کہ ابھی تک ان کو عذاب اور اس کی تکلیف نے چھو یا نہیں۔

﴿وَلَكِنْ فَسَنَتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ایک معمولی سا حصہ ان کو چھو لے ﴿يَقُولُونَ يُؤْتِينَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ﴾ ”تو پکارا نہیں گے ہائے ہماری کم سختی! ہم تو ظالم تھے۔“ یعنی وہ پکاریں گے: ہائے ہم تباہ و برباد ہو گئے اور ان کی پکار اپنی ندامت کا اظہار اور اپنے ظلم، کفر اور استحقاق عذاب ہی کا اعتراف ہوگی۔

وَنَضْعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ
اور ہم رکھیں گے ترازوئیں انصاف کی دن قیامت کے، پس نہ ظلم کیا جائے گا کسی نفس پر کچھ بھی اور اگر ہوگا (عمل)

مِنْ ثِقَالِ حَبَّةٍ مِّنْ حَرْدَلٍ آتَيْنَا بِهَا وَكُفِيَ بِنَا حُسْبِينَ ﴿۳۷﴾

برابر دانے ایک رائی کے بھی تولے آئیں گے ہم اسے اور کافی ہیں ہم حساب کرنے والے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے عدل پر مبنی حکم کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے، قیامت کے روز جب وہ اپنے بندوں کو جمع کرے گا تو ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرے گا۔ نہایت عدل کے ساتھ وزن کرنے والی ترازوئیں قائم کر دی جائیں گی جن پر ذرہ بھر وزن بھی واضح ہو جائے گا۔ یہ ترازوئیں نیکیوں اور برائیوں کا وزن کریں گی۔

﴿فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ﴾ ”پس کسی نفس پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“ خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر ﴿شَيْئًا﴾ ”کچھ بھی۔“ یعنی کسی شخص کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی نہ کسی شخص کی برائیوں میں اضافہ کیا جائے گا۔ ﴿وَإِنْ كَانَ مِنْ ثِقَالِ حَبَّةٍ مِّنْ حَرْدَلٍ﴾ ”اور اگر ہوگا (عمل) رائی کے دانے کے برابر۔“ جو کہ سب سے چھوٹی اور حقیر سی چیز ہے یعنی رائی کے دانے کے برابر بھی نیکی یا بدی ہوگی ﴿آتَيْنَا بِهَا﴾ ہم اسے سامنے حاضر کر دیں گے تاکہ اس پر اس کے مرتکب کو جزا دی جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ○ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ

ذِكْرٌ شَرًّا يَكْرَهُ (الزلزال: ۷۱/۹۹) ”جس نے ذرہ بھرنیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھربرائی کا ارتکاب کیا ہوگا وہ اسے دیکھ لے گا۔“ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَيَقُولُونَ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ اَمْوَالُ هَٰؤُلَاءِ الَّتِي كَانُوا يُعْجَبُونَ﴾ (الکہف: ۹۱/۸) ”وہ کہیں گے کہ ہماری کم بختی! یہ کیسی کتاب ہے کہ کوئی چھوٹا یا بڑا عمل ایسا نہیں جو اس میں لکھنے سے رہ گیا ہو اور وہ اپنے تمام اعمال کو موجود پائیں گے۔“

﴿وَكُفِيَٰ بِنَا حَسِبِينَ﴾ اللہ تعالیٰ کی اس سے مراد خود اپنا نفس کریمہ ہے اور وہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ یعنی اللہ اپنے بندوں کے اعمال کا علم رکھتا ہے ان اعمال کو کتاب میں درج کر کے ان کی حفاظت کرتا ہے وہ ان اعمال کی مقدار کے مطابق ثواب اور ان کے استحقاق کا بھی علم رکھتا ہے اور وہ عمل کرنے والوں کو ان کی جزا عطا کرے گا۔

وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى وَهٰرُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۸﴾
اور البتہ تحقیق دی تھی ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنیوالی (کتاب) اور روشنی اور ذکر (نصیحت) پر ہیزگاروں کیلئے
الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿۲۹﴾ وَهٰذَا
وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے، اور وہ قیامت سے بھی ڈرنے والے ہیں ﴿قرآن﴾
ذِكْرٌ مُّبْرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكَرُونَ ﴿۳۰﴾
ذکر ہے بَرکت والا ہے ہم نے نازل کیا ہے اسے کیا پس تم اس کے منکر ہو؟ ﴿

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نہایت کثرت سے ان دو جلیل القدر کتابوں کا اکٹھا ذکر کیا ہے ان دونوں سے افضل ذکر میں ان سے بڑی ان سے زیادہ بابرکت اور ہدایت و بیان کے لئے زیادہ عظیم کوئی اور کتاب دنیا میں نازل نہیں ہوئی اور وہ ہیں تورات اور قرآن کریم اس لئے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اصلاً اور حضرت ہارون علیہ السلام کو تبعاً تورات عطا فرمائی ﴿الْفُرْقَانَ﴾ جو حق اور باطل کے درمیان اور ہدایت اور گمراہی کے درمیان فرق کرتی ہے ﴿وَضِيَآءً﴾ نور ہے جس سے راہنمائی کے خواہشمند راہنمائی حاصل کرتے ہیں اہل سلوک اس کو اپنا امام بناتے ہیں اس سے احکام کی معرفت حاصل ہوتی ہے اس کے ذریعے سے حلال و حرام کی پہچان حاصل ہوتی ہے وہ جہالت، گمراہی اور بدعات کی تاریکیوں میں روشنی عطا کرتی ہے۔

﴿وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ اور نصیحت ہے متقین کے لیے۔ ”یعنی اہل تقویٰ کے ذریعے سے نصیحت پکڑتے ہیں کہ کون سے امور ان کو فائدہ دیتے ہیں اور کون سے امور ان کے لئے نقصان دہ ہیں اور اس کے ذریعے سے خیر و شر کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کو ”ذکر“ کے ساتھ اس لئے مختص کیا ہے کیونکہ صرف

وہی اس سے علم و عمل میں فائدہ اٹھاتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ”متقین“ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ﴾ یعنی اپنے تنہائی کے اوقات میں جب لوگ ان کو دیکھ نہیں رہے ہوتے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور جب ایسا ہے تو لوگوں کے سامنے تو بطریق اولیٰ ڈرتے ہیں۔ پس وہ حرام امور سے بچتے ہیں اور جو امور ان پر لازم ٹھہرادیئے گئے ان کا التزام کرتے ہیں۔ ﴿وَهُمْ مِنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ﴾ اور وہ اپنے رب کی کامل معرفت حاصل ہونے کی بنا پر قیامت کی گھڑی سے ڈرتے ہیں..... پس انہوں نے احسان اور خوف الہی کو یکجا کر کے اپنے اندر سمولیا۔

یہاں عطف ایک ہی چیز اور ایک ہی موصوف پر وارد ہونے والی متضاد صفات پر عطف کے باب میں سے ہے۔ ﴿وَهَذَا﴾ ”اور یہ“ یعنی قرآن کریم ﴿ذِكْرٌ مُّبْرَكٌ أَنْزَلْنَاهُ﴾ ”مبارک ذکر ہے جسے ہم نے اتارا ہے۔“ پس اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو کو دو جلیل القدر اوصاف سے موسوم کیا ہے۔

(۱) قرآن حکیم ”ذکر“ ہے۔ تمام مطالب میں قرآن سے نصیحت حاصل کی جاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور اس کے افعال اس کے انبیاء و اولیاء کی صفات اور احکام جزا جنت اور جہنم کی معرفت حاصل ہوتی ہے نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن کو اس لئے بھی ”ذکر“ کہا ہے کہ قرآن..... اخبار صادقہ کی تصدیق ان امور کا حکم دینا جو عقلاً حسن ہیں اور ان امور سے روکنا جو عقلاً قبیح ہیں جیسی صفات کو جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی عقل و فطرت میں ودیعت کر رکھی ہیں ان کی یاد دہانی کراتا ہے۔

(۲) قرآن کریم کا ”مبارک“ (یعنی بابرکت) ہونا اس میں بھلائی کی کثرت، بھلائی کی نشوونما اور اس میں اضافے کا تقاضا کرتا ہے۔ اس قرآن حکیم سے بڑھ کر کوئی چیز بابرکت نہیں کیونکہ ہر بھلائی ہر نعمت دینی دنیاوی اور اخروی امور میں ہر اضافہ ای کے سبب سے ہے اور اس پر عمل کے آثار ہیں۔

جب ”ذکر“ بابرکت ہو تو اس کو قبول کرنا اس کی اطاعت کرنا اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا واجب ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی اس جلیل القدر نعمت کا شکر ادا ہو اس کو قائم کیا جاسکے اور اس کے الفاظ و معانی کو سیکھ کر اس سے برکت حاصل کی جائے اور اس رویے سے متضاد رویہ یعنی اس سے روگردانی کرنا اسے درخور اعتنا نہ سمجھنا اس کا انکار کرنا اور اس پر ایمان نہ لانا سب سے بڑا کفر شدید ترین جہالت اور سخت ظلم ہے اس لئے جو کوئی اس کا انکار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر نکیر کرتے ہوئے فرماتا ہے ﴿أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ﴾ کیا تم اس کا انکار کرتے ہو۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَلِيمِينَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِأَبِيهِ

اور البتہ تحقیق دی تھی ہم نے ابراہیم کو اسکی ہدایت اس سے پہلے اور تھے ہم اسے (خوب) جاننے والے ۵۱ جب کہا تھا اس نے اپنے باپ

وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّكَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ﴿۵۲﴾ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا

اور اپنی قوم سے، کیا ہیں یہ مورتیاں وہ جو تم ہوا ان کیلئے (تعظیم سے) جھکنے والے؟ ۵۲ انہوں نے کہا، پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو انکی

عِبَادِيْنَ ۵۷ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۵۸ قَالُوْا اَجَعْتَنَا

عبادت کرتے ہوئے؟ ابراہیم نے کہا، البتہ تحقیق ہو تم خود اور (تھے) باپ دادا تمہارے گمراہی صریح میں؟ انہوں نے کہا کیا لایا ہے تو ہمارے پاس

بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللَّٰعِبِيْنَ ۵۹ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

حق یا ہے تو کھیل کرنے والوں میں سے؟ ابراہیم نے کہا، بلکہ تمہارا رب رب ہے آسمانوں اور زمین کا

الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۚ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِنَ الشّٰهِيْدِيْنَ ۶۰ وَتَاللّٰهِ لَآ كَيْدَنَّ

وہ جس نے پیدا کیا انگو، اور میں اوپر اس (بات) کے گواہوں میں سے ہوں؟ اور اللہ کی قسم! البتہ ضرور ایک تدبیر کرونگا میں

اَصْنَاكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۶۱ فَجَعَلَهُمْ جُنُذًا ۙ اِلَّا كَيْدًا لّٰهُمْ لَعَلَّهُمْ

تمہارے بتوں (کو توڑنے) کیلئے بعد اسکے کہ چلے جاؤ گے تم پیٹھ پھیر کر؟ پھر کر دیا اس نے انکو کلوں کے کلوں سے ایک بڑے کماٹکے تاکہ وہ

اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۶۲ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاِلٰهِنَا اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۶۳

اسکی طرف رجوع کریں؟ انہوں نے کہا، کس نے کیا ہے یہ (کام) ہمارے معبودوں کے ساتھ؟ بلاشبہ وہ البتہ ظالموں میں سے ہے؟

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتٰى يٰذِكْرُهُمْ يُقَالُ لَهٗ اِبْرٰهِيْمُ ۶۴ قَالُوْا فَاَتُوْا بِهٖ عَلٰی اَعْيُنِ النَّاسِ

انہوں نے کہا، سنا ہم نے ایک جوان کو، وہ ذکر کرتا تھا انکا، کہا جاتا ہے اسے ابراہیم؟ انہوں نے کہا، پس لے آؤ تم اسے رو رو لوگوں کے

لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۶۵ قَالُوْا ؕ اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاِلٰهِنَا يٰ اِبْرٰهِيْمُ ۶۶ قَالَ

تاکہ وہ (عبرت کیلئے) دیکھیں؟ انہوں نے کہا، کیا تو نے ہی کیا ہے یہ (کام) ہمارے معبودوں کیساتھ اے ابراہیم؟ اس نے کہا

بَلْ فَعَلَهُ كَيْدِيْٓ اَسْبَغْتُ هٰذَا فَاَسْأَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۶۷ فَرَجَعُوْا اِلٰى اَنْفُسِهِمْ

(نہیں) بلکہ کیا ہے یہ کام انکے اس بڑے (بت) نے، پس تم پوچھو ان سے اگر ہیں وہ بولتے؟ پس لوٹے وہ اپنے نفسوں کی طرف (یعنی سوچا)

فَقَالُوْا اِنْكُمْ اَنْتُمْ الظّٰلِمُوْنَ ۶۸ ثُمَّ نَكْسُوْا عَلٰی رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا

اور کہا (آپس میں) بلاشبہ تم ہی ظالم ہو؟ پھر وہ الٹے کر دیئے گئے اپنے سروں کے بل (اور کہا) البتہ تحقیق تو جانتا ہے کہ نہیں

هٰؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۶۹ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا

یہ (بت) بولتے؟ ابراہیم نے کہا، کیا پس تم عبادت کرتے ہو سوائے اللہ کے ان کی جو نہیں نفع دے سکتے تمہیں کچھ اور نہ

يَضُرُّكُمْ ۷۰ اَفِ لَكُمْ وَلِيٰمَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۷۱ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۷۲ قَالُوْا

نقصان دے سکتے ہیں تمہیں؟ نفسوں ہے تم پر اور ان پر جنگی تم عبادت کرتے ہو سوائے اللہ کے، کیا پس نہیں عقل رکھتے تم؟ انہوں نے کہا،

حَرِيْقُوْهُ وَاَنْصُرُوْا اِلٰهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فَعٰلِيْنَ ۷۳ قُلْنَا يٰ نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا

جلاؤ تم اسکو اور مدد کرو اپنے معبودوں کی، اگر ہو تم (کچھ) کر نیوالے؟ ہم نے کہا، اے آگ ہو جا تو ٹھنڈی اور سلامتی (والی)

عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ ۷۴ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا ۙ فَجَعَلْنٰهُمْ الْاٰخِسِرِيْنَ ۷۵ وَنَجَّيْنٰهٗ وَاَوْطٰ

اور ابراہیم کے؟ اور ارادہ کیا تھا انہوں نے اسکے ساتھ مکر کا، پس کر دیا ہم نے انہیں ہی خسارہ پانیوالے؟ اور نجات دی ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو

اِلَى الْاَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿۴۱﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ اِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
 طَرَفِ اسْ زَمِيْنِ كِيْ وَهْ جَوْرِكْت دِي تَقِي هَم نِي اَكْمِيْس جِهَانِ وَالُوْن كِيْلِيْ ۝ اور عطا كيا هم نِي اس (ابراھيم) كو اسحاق اور يعقوب
 نَافِلَةً ط وَكَلَّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اٰيَةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا
 مَزِيْدُ اور ہر ایک كو بنایا ہم نِي صٰلِح ۝ اور بنایا ہم نِي اُنھیں امام، وَهْ ہدایت کرتے تھے ہمارے حَكَم كے ساتھ
 وَاَوْحَيْنَا اِلَيْھُمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتٰءَ الزَّكٰوةَ ۚ وَكَانُوْا
 اور وَحی كی ہم نِي ان كی طرف نيك كام كرنے كی اور نماز قائم كرنے كی اور زكوة ادا كرنے كی، اور تھے وَه
 لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۴۳﴾

ہمارے عبادت گزار (فرماں بردار) بندے ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کی جلیل القدر کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد
 فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَتَيْنَا اِبْرٰھِيْمَ رُشْدًا مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور ان
 کی کتابوں کے نازل ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کی بادشاہی کا مشاہدہ کروایا اور
 انہیں رشد و ہدایت عطا کی جس سے ان کے نفس کو کمال حاصل ہوا اور آپ نے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی جو
 اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا کسی کو عطا نہیں کی اور آپ کے ہدایت یافتہ ہونے کے باعث آپ کے
 حسب حال اور آپ کے بلند مرتبہ کی بنا پر رشد کو آپ کی طرف مضاف کیا گیا ورنہ ہر مومن کو اس کے حسب ایمان
 رشد و ہدایت سے نوازا گیا ہے۔

﴿وَكُنَّا بِہٖ عَلٰمِيْنَ﴾ اور ہم اسکو جانتے تھے۔ یعنی ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رشد و ہدایت کی انکوارسالت
 کے لئے منتخب کیا، انہیں اپنا خلیل بنایا اور دنیا و آخرت میں انہیں اپنے لئے چن لیا اس لیے کہ ہم جانتے تھے کہ وہ
 اس مرتبہ کے اہل اور اپنی پاکیزگی اور ذہانت کی بنا پر اس کے مستحق ہیں۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ان کا اپنی قوم کے
 ساتھ مباحثہ شرک سے ان کو روکنے، بتوں کو توڑنے اور ان پر آپ کے حجت قائم کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:
 ﴿اِذْ قَالَ لَآكِبٰیہٗ وَ قَوْمُہٗ مَا هٰذِہٗ التَّمٰثِیْلُ﴾ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ مورتیاں کیا ہیں؟
 جن کو تم نے بعض مخلوقات کی صورت پر خود اپنے ہاتھوں سے بنایا اور خود گھڑا ہے ﴿الَّتِیْ اَنْتُمْ لَہَا عٰكِفُوْنَ﴾ جن پر
 تم ان کی عبادت کے لئے قیام اور اس کا التزام کرتے ہو..... یہ گھڑے ہوئے پتھر کیا ہیں؟ ان میں کوئی فضیلت
 ظاہر ہوئی ہے؟ تمہاری عقلیں کہاں چلی گئی ہیں کہ تم نے اپنے اوقات کو ان بتوں کی عبادت میں ضائع کر دیا
 حالانکہ تم نے خود ان کو اپنے ہاتھوں سے گھڑا ہے؟ یہ سب سے بڑی تعجب انگیز بات ہے کہ جس چیز کو تم خود اپنے
 ہاتھوں سے گھڑتے ہو اسی کی عبادت کرتے ہو تو انہوں نے بغیر کسی حجت اور برہان کے اس شخص کا سا جواب دیا جو

عاجز اور بے بس ہو اور جسے ادنیٰ سا بھی شبہ نہ ہو چنانچہ انہوں نے کہا: ﴿وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا﴾ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایسے ہی کرتے پایا ہم بھی ان کی راہ پر گامزن ہیں اور ان کی پیروی میں ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔

یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہے کہ انبیاء و مرسلین کے سوا کسی شخص کا فعل حجت ہے نہ اس کی پیروی ہی کرنا جائز ہے۔ خاص طور پر اصول دین اور توحید الہی میں..... اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے ان تمام لوگوں کو گمراہ قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ یعنی تم اور تمہارے آباء و اجداد واضح گمراہی میں مبتلا ہو اور کونسی گمراہی ہے جو ان کے شرک میں مبتلا ہونے اور توحید کو ترک کرنے کی گمراہی سے زیادہ بڑی ہو؟ یعنی اس گمراہی کو پکڑے رہنے کے لئے تم نے جو دلیل دی ہے وہ درست نہیں، تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی پر ہو جو ہر ایک پر واضح ہے۔

﴿قَالُوْا﴾ انہوں نے تعجب اور ابراہیم علیہ السلام کے قول پر استفہام کے طور پر کہا، نیز یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اور ان کے آباء و اجداد کو بے وقوف قرار دیا تھا۔ ﴿اَجَعَلْنَا بِالْحَقِّ اَمْرًا اَنْتَ مِنَ اللّٰعِيْنِ﴾ یعنی کیا وہ بات جو تو نے کہی ہے اور وہ چیز جو تو لے کر آیا ہے حق ہے؟ یا تیرا ہمارے ساتھ بات کرنا کسی دل لگی کرنے والے اور تمسخر اڑانے والے کا بات کرنا ہے جو یہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟..... پس انہوں نے ان دوا موڑ کی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کو رد کر دیا، انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو اس بنا پر رد کر دیا کہ ان کے ہاں یہ بات تسلیم شدہ تھی کہ جو کلام حضرت ابراہیم علیہ السلام لے کر آئے ہیں وہ ایک بے وقوف کا کلام ہے، آپ جو بات کہتے ہیں وہ عقل میں نہیں آتی۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بات کا اس طرح جواب دیا جس سے ان کی سفاہت اور کم عقلی واضح ہوتی تھی، چنانچہ فرمایا: ﴿بَلْ زَبَّحْتُمْ ذَبَابَ السَّمُوْتِ وَاَلْاَرْضِ الذِّیْ فَطَرْتُمْ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکُمْ مِنَ الشّٰہِدِيْنَ﴾ ”بلکہ تمہارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور میں بھی ان باتوں کو ماننے والوں میں سے ہوں۔“ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے عقلی اور نقلی دونوں دلیلوں کو جمع کر دیا۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ ہر ایک شخص حتیٰ کہ وہ خود بھی جنہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جھگڑا کیا، جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انسانوں، فرشتوں، جنوں، جانوروں اور زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور وہی ہے جو مختلف الانواع تدابیر کے ساتھ ان کی تدبیر کر رہا ہے۔ پس تمام مخلوق پیدا شدہ محتاج تدبیر اور زیر تصرف ہے اور جن کی یہ مشرکین عبادت کرتے ہیں وہ بھی اس مخلوق میں داخل ہیں..... کیا یہ چیز اس شخص کے نزدیک جو ادنیٰ سی عقل اور تمیز رکھتا ہے..... مناسب ہے کہ ایک ایسی مخلوق ہستی کی عبادت کی جائے جو کسی کے زیر تصرف ہے، جو کسی نفع و نقصان کی مالک نہیں، جو زندگی اور موت پر قدرت رکھتی ہے نہ دوبارہ زندہ کرنے پر اور خالق، رازق اور مدبر کائنات کی عبادت کو چھوڑ دیا جائے؟

نقلی اور سمعی دلیل وہ ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام سے منقول ہے کہ وہ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ معصوم اور غلطیوں سے پاک ہے اور وہ صرف حق کی خبر دیتا ہے اور دلیل سمعی اس کی ایک قسم کسی نبی کی گواہی ہے بنا بریں ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَاَنَا عَلَىٰ ذَلِكُمْ﴾ ”اور میں اس پر“ یعنی اس امر پر کہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے اور اس کے سوا ہر ہستی کی عبادت باطل ہے۔ ﴿مَنْ الشَّهِيدِينَ﴾ ”گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔“ اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کے بعد کوئی گواہی ہے جو انبیاء و رسل کی گواہی سے افضل ہو خاص طور پر اولوالعزم رسول اور رحمان کے خلیل کی گواہی سے؟

چونکہ آپ نے دلیل سے واضح کر دیا تھا کہ ان کے بت کسی تدبیر کا اختیار نہیں رکھتے اس لئے آپ نے ان کو بالفعل ان کے خود ساختہ معبودوں کی بے بسی اور خود اپنی مدد کرنے پر بے اختیاری کا مشاہدہ کروانے کا ارادہ کیا اور ایسا طریق کار استعمال کیا کہ وہ اپنے معبودوں کی بے بسی اور بے اختیاری کا خود اقرار کریں اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَتَاللّٰهِ لَا يَكِدَنَّ اَصْنَاكُمْ﴾ ”یعنی تمہیں لا جواب کرنے کے لئے چال کے طور پر میں ان بتوں کو توڑ دوں گا“ ﴿بَعْدَ اَنْ تَوَلَّوْا مُدْبِرِينَ﴾ ”جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔“ یعنی جب اپنی کوئی عید منانے کے لئے چلے جاؤ گے۔

چنانچہ جب وہ وہاں سے چلے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام چپکے سے ان بتوں کے پاس گئے ﴿فَجَعَلَهُمْ جُودًا﴾ اور ان بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ تمام بت ایک ہی بت خانے میں جمع تھے اس لئے ان سب کو توڑ دیا۔ ﴿اِلَّا كَبِيرًا اَلَهُمْ﴾ ”سوائے ان کے بڑے بت کے اور اسے ایک خاص مقصد کے لئے چھوڑ دیا جسے عنقریب اللہ تعالیٰ بیان فرمائے گا۔“

ذرا اس عجیب ”احتراز“ پر غور فرمائیے کیونکہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مغضوب ہے۔ اس پر تعظیم کے الفاظ کا اطلاق صحیح نہیں سوائے اس صورت میں کہ تعظیم کی اضافت تعظیم کرنے والوں کی طرف ہو۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ آپ جب زمین کے مشرک بادشاہوں کی طرف خط لکھتے تو اس طرح مخاطب فرماتے: ﴿اِلٰى عَظِيْمِ الْفُرْسِ اَوْ اِلٰى عَظِيْمِ الرُّومِ﴾ ”یعنی“ اہل فارس کے بڑے کی طرف یا اہل روم کے بڑے کی طرف“ اور ﴿اِلٰى الْعَظِيْمِ﴾ ”یعنی بڑی ہستی کی طرف“ جیسے الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔

یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِلَّا كَبِيرًا اَلَهُمْ﴾ ”ان کے بڑے بت کو چھوڑ دیا۔“ اور یہ نہیں فرمایا ﴿كَبِيرًا مِّنْ اَصْنَانِهِمْ﴾ ”ان کے بتوں میں سے بڑے بت کو“ پس یہ بات اس لائق ہے کہ آدمی اس پر متنبہ رہے اور اس ہستی کی تعظیم سے احتراز کرے جسے اللہ تعالیٰ نے حقیر قرار دیا ہے۔ البتہ اس تعظیم کی اضافت ان لوگوں کی طرف کی جاسکتی ہے جو اس کی تعظیم کرتے ہیں۔

﴿لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ﴾ ”یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ان کے اس بڑے بت کو چھوڑ دیا تاکہ وہ اس کی طرف

رجوع کریں اور آپ کی حجت و دلیل سے زچ ہو کر اس حجت کی طرف التفات کریں اور اس سے روگردانی نہ کریں اسی لئے آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا: ﴿فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنْفُسِهِمْ﴾ ”پس انہوں نے اپنے دل میں غور کیا۔“ جب انہوں نے اپنے معبودوں کی اہانت اور رسوائی دیکھی تو کہنے لگے: ﴿مَنْ فَعَلَ هَذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ﴾ ”ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کس نے کیا ہے؟ یقیناً وہ ظالموں میں سے ہے۔“ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ظالم کہا، حالانکہ وہ خود اس صفت کے زیادہ مستحق ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو توڑا اور آپ کا ان بتوں کو توڑنا آپ کے بہترین مناقب میں سے ہے، نیز آپ کے عدل اور آپ کی توحید پر دلالت کرتا ہے۔ ظالم تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان بتوں کو معبود بنا لیا تھا، حالانکہ انہوں نے دیکھ لیا کہ ان کے معبودوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ ﴿قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ﴾ یعنی جوان بتوں کی عیب چینی اور مذمت کرتا تھا۔ جس کا یہ حال ہے یقیناً اسی نے ان بتوں کو توڑا ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ان بتوں کے خلاف چال چلنے کی بات کر رہے تھے تو ان مشرکین میں سے کسی نے سن لیا ہو۔

جب ان کے سامنے یہ بات متحقق ہو گئی کہ یہ سب کچھ ابراہیم علیہ السلام نے کیا ہے ﴿قَالُوا فَأْتُوا بِهِ﴾ تو کہنے لگے ابراہیم کو لے کر آؤ ﴿عَلَىٰ آيَاتِنَا النَّاسِ﴾ یعنی لوگوں کے سامنے ﴿لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ﴾ یعنی جس شخص نے ان کے معبودوں کو توڑا ہے اس کے ساتھ ہونے والے سلوک کے وقت لوگ موجود ہوں اور یہی بات ابراہیم علیہ السلام چاہتے تھے اور یہی ان کا مقصد تھا کہ لوگوں کے بھرے مجمع میں حق ظاہر ہو لوگ حق کا مشاہدہ کریں اور ان پر حجت قائم ہو جائے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے اس وقت کہا تھا جب اس نے موسیٰ علیہ السلام کو مقابلے کے لئے ایک دن مقرر کرنے کے لئے کہا تھا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَآنُ يُحْشَرِ النَّاسُ ضُحًى﴾ (طہ: ۵۹/۶۰) ”تمہارے لئے جشن کا دن مقرر ہوا چاشت کے وقت لوگوں کو اکٹھا کیا جائے۔“ جب لوگ اکٹھے ہو گئے اور ابراہیم علیہ السلام کو بھی حاضر کیا گیا تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا ﴿إِنَّكَ أَنتَ فَعَلْتَ هَذَا﴾ ”کیا تو نے یہ کیا ہے؟“ یعنی بتوں کو توڑا ہے ﴿بِآلِهَتِنَا يَا بُرْهَانُ﴾ یہ استفہام تقریری ہے یعنی اس اقدام کی تجھے کیسے جرأت ہوئی؟

ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کے سامنے بھرے مجمع میں جواب دیا ﴿بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا﴾ یعنی اس بڑے بت نے ناراض ہو کر ان کو توڑا ہے کیونکہ اس کے ساتھ ان کی بھی عبادت کی جاتی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ عبادت صرف تمہارے اس بڑے بت کی ہو۔ اس سے ابراہیم علیہ السلام کا مقصد الزامی جواب اور حجت قائم کرنا تھا، اس لئے فرمایا: ﴿فَسَتَلَوْهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ﴾ ”ان سے پوچھو اگر یہ بول سکتے ہیں۔“ یعنی ان ٹوٹے ہوئے بتوں سے پوچھو کہ ان کو کیوں توڑا گیا؟ اور جس بت کو نہیں توڑا گیا اس سے پوچھو کہ اس نے ان بتوں کو کیوں توڑا؟ اگر وہ بول سکتے

ہیں تو تمہیں جواب دیں..... میں تم اور ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ بت بول سکتے ہیں نہ کلام کر سکتے ہیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ بلکہ اگر کوئی ان کو نقصان پہنچانا چاہے تو یہ خود اپنی مدد کرنے پر بھی قادر نہیں۔

﴿فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ﴾ ”پس وہ اپنے آپ ہی کی طرف لوٹے۔“ یعنی ان کی عقل ان کی طرف لوٹی اور انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ ان بتوں کی عبادت کر کے گمراہی میں مبتلا تھے اور انہوں نے اپنے ظلم اور شرک کا اقرار کر لیا۔ ﴿فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ﴾ ”اور کہنے لگے تم ہی ظالم ہو۔“ پس اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد حاصل ہو گیا اور ان کے اس اقرار کے ساتھ کہ ان کا موقف باطل اور ان کا فعل کفر اور ظلم ہے ان پر حجت قائم ہو گئی۔ مگر وہ اس حالت پر قائم نہ رہ سکے بلکہ ﴿نَكِسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ﴾ ”اوندھے ہو گئے اپنے سروں کے بل۔“ یعنی ان کا معاملہ بدل گیا ان کی عقل اوندھی ہو گئی اور ان کے خواب پریشان ہو گئے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے: ﴿لَقَدْ عَلِمْتُمَا هَٰؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ﴾ ”تم کیسے ہمارے ساتھ ٹھٹھا اور تمسخر کر رہے ہو اور ہمیں کہہ رہے ہو کہ ہم ان بتوں سے پوچھ لیں حالانکہ تو جانتا ہے کہ یہ بول نہیں سکتے؟“

اس پر ابراہیم علیہ السلام نے ان کی زجرو تو شیخ اور علی الاعلان ان کے شرک اور عبادت کے لئے ان کے خداؤں کے عدم استحقاق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ﴾ ”کیا جو کوئی نفع دے سکتے ہیں نہ کوئی تکلیف دور کر سکتے ہیں تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو؟“

﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ”تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔“ یعنی تم کتنے گمراہ تمہاری تجارت کتنی گھائے کی تجارت اور تم اور تمہارے معبود جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو کتنے گھٹیا ہو۔ ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ کیا تم عقل نہیں رکھتے کہ صورتحال کو پہچان سکو؟ چونکہ تم نے عقل سے عاری ہونے کی بنا پر جانتے بوجھتے جہالت اور گمراہی کا ارتکاب کیا ہے اس لئے جانوروں کا حال تمہارے حال سے کہیں بہتر ہے۔

جب ابراہیم علیہ السلام نے ان کو لا جواب کر دیا اور وہ اپنی دلیل کو واضح نہ کر سکے تو آپ کو سزا دینے کے لئے قوت استعمال کی چنانچہ وہ کہنے لگے: ﴿حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فاعِلِينَ﴾ ”یعنی اسے بدترین طریقے سے قتل کرو اپنے معبودوں کی حمایت اور تائید میں اسے آگ میں ڈال دو۔۔۔۔۔ ان کیلئے ہلاکت ہے وہ ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ ان کے معبود ان کی مدد کے محتاج ہیں پھر بھی انہوں نے بے بس ہستیوں کو معبود بنالیا۔ پس جب انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی مدد فرمائی اور آگ کو حکم دیا: ﴿يٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ اِبْرٰهِيْمَ﴾ ”اے آگ!“ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔“ اور آگ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کوئی اذیت اور کوئی گزند نہ پہنچی۔

﴿وَارَادُوا بِهِ كَيْدًا﴾ ”انہوں نے ابراہیم کے ساتھ برا چاہا۔“ یعنی ان کو جلانے کا ارادہ کیا ﴿فَجَعَلْنَاهُمُ الْاَخْسَرِينَ﴾ ”پس ہم نے انہی کو نقصان اٹھانے والوں میں سے کر دیا۔“ یعنی دنیا و آخرت میں ان کو گھانا کھانے والوں میں شامل کر دیا اور اس کے برعکس خلیل علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو نفع اٹھانے اور فلاح پانے والے لوگوں میں شامل کر دیا۔

﴿وَنَجَّيْنَاهُ لُوطًا﴾ ”اور ہم نے اسے اور لوط کی نجات دی۔“ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام پر حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کوئی شخص ایمان نہ لایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو کفار سے نجات دی اور وہ ہجرت کر گئے ﴿اِلَى الْاَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ﴾ ”اس زمین کی طرف جس میں ہم نے جہانوں کے لیے برکت رکھی ہے۔“ اس سے مراد ملک شام ہے، یعنی وہ اپنی قوم کو ”بابل“ یعنی عراق میں چھوڑ کر شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ ﴿وَقَالَ اِنِّي ذَاهِبٌ اِلَى رَبِّي﴾ (الصَّفَّت: ۹۹/۳۷) ”انہوں نے کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔“

سرزمین شام کی برکتوں میں سے چند یہ ہیں کہ بہت سے انبیاء کرام یہیں پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت خلیل علیہ السلام کی ہجرت کے لئے چن لیا اور اللہ تعالیٰ کے تین مقدس گھروں میں ایک گھر یہیں واقع ہے یعنی بیت المقدس۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهُ﴾ ”اور ہم نے عطا کیے اسے۔“ جب وہ اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر کے ہجرت کر گئے ﴿اِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ﴾ ”اسحاق اور یعقوب بن اسحاق علیہ السلام“ ﴿نَافِلَةً﴾ ”مزید“ یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بوڑھا ہو جانے کے بعد جبکہ ان کی بیوی بھی بانجھ تھی۔ فرشتوں نے ان کو اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دی۔ ﴿وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يٰعَقُوبَ﴾ (ہود: ۷۱/۱۱) ”اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔“ اور یعقوب سے مراد حضرت اسرائیل علیہ السلام ہیں جو ایک بہت بڑی امت کے جد امجد ہیں اور حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام، فضیلت والی امت عربی کے جد امجد ہیں۔ اولین و آخرین کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی کی نسل میں سے ہیں۔

﴿وَكُلًّا﴾ ”اور ہر ایک کو۔“ یعنی ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہ السلام کو ﴿جَعَلْنَا صُلَيْحِينَ﴾ ”ہم نے نیک بنایا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کو قائم کرنے والے۔ ان کی صالحیت میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رہبر و راہنما بنایا جو اس کے حکم سے راہنمائی حاصل کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے پر سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ وہ راہنما ہو اور لوگ اس کی راہنمائی میں راہ راست پر گامزن ہوں..... چلنے والے ان کی راہنمائی میں چلتے تھے اور ان کی راہنمائی کی یہ نعمت اس سبب سے عطا ہوئی کہ وہ صابر تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیات پر یقین رکھتے تھے۔

﴿يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا﴾ یعنی ہمارے دین کے ذریعے سے لوگوں کی راہنمائی کرتے تھے۔ وہ ان کو اپنی خواہشات نفس کے مطابق حکم نہیں دیتے تھے بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی رضا کی اتباع ہی کا حکم دیتے تھے اور بندہ اس وقت تک امامت کے رتبے پر فائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف دعوت نہ دے۔ ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فَعَلِ الْخَيْرَاتِ﴾ اور ہم نے ان کی طرف وحی کی نیک کاموں کے کرنے کی۔ وہ خود بھی ان نیک کاموں کو سرانجام دیتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی طرف دعوت دیتے تھے۔ یہ حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق تمام نیک کاموں کو شامل ہے۔

﴿وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ﴾ اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی۔ یہ عام پر خاص کے عطف کے باب سے ہے کیونکہ ان دونوں عبادات کو باقی تمام عبادات پر شرف اور فضیلت حاصل ہے نیز اس لئے بھی کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان عبادات کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اس نے دین کو قائم کر لیا اور جس نے ان دونوں عبادات کو ضائع کر دیا اس سے ان کے علاوہ دیگر امور کو ضائع کرنے کی زیادہ توقع کی جاسکتی ہے نیز نماز ان عملوں میں سب سے افضل عمل ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کے حق پر مبنی ہیں اور زکوٰۃ ان عملوں میں سب سے افضل عمل ہے جن میں اللہ کی مخلوق کے ساتھ احسان کرنے کا پہلو پایا جاتا ہے۔ ﴿وَكَانُوا لَنَا عَمِيدِينَ﴾ اور وہ ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔ یعنی وہ ہمیشہ اپنے تمام اوقات میں قلبی، قولی اور بدنی عبادات میں مصروف رہتے تھے۔ پس وہ اس بات کے مستحق ہو گئے کہ عبادت ان کا وصف بن جائے چنانچہ وہ اس صفت سے متصف ہو گئے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو متصف ہونے کا حکم دیا اور جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو پیدا کیا۔

وَلَوْ طَا أَتَيْنَهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْبُلُ
اور لو ط کو، دیا ہم نے اسے حکم اور علم اور نجات دی ہم نے اسے اس بستی سے وہ جو کرتے تھے (اس کے باشندے) کام
الْخَبِيثَاتُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَسَقِينَ ۝۱۷ وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُ
ناپاک، بلاشبہ وہ تھے لوگ برے، نافرمان ۝ اور داخل کیا ہم نے اس (لو ط) کو اپنی رحمت میں بے شک وہ
مِنَ الصَّالِحِينَ ۝۱۸

صالح لوگوں میں سے تھا ۝

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول لوط علیہ السلام کی مدح و ثناء ہے کہ وہ شریعت کا علم رکھتے تھے نیز یہ کہ وہ لوگوں کے درمیان صواب اور راستی کے ساتھ فیصلے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے تھے انہیں ان کی بدکاریوں اور فواحش سے روکتے تھے۔ پس وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے مگر انہوں نے ان کی دعوت پر لبیک نہ کہی۔ تو اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے

ان کی بستیوں کو تپٹ کر دیا ﴿كَانُوا قَوْمَ سَوَاءٍ فَيَسْقِين﴾ کیونکہ وہ بڑے ہی برے اور فاسق لوگ تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے داعی کو جھٹلایا اور انہیں ملک بدر کرنے کی دھمکی دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کو لے کر راتوں رات اس بستی سے دور نکل جائیں، چنانچہ وہ اپنے گھر والوں کو لے کر اس بستی سے دور نکل گئے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہے اور یہ ان پر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی وجہ سے ہوا۔

ارشاد فرمایا: ﴿وَادْخُلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا﴾ اور ہم نے اس کو داخل کر لیا اپنی رحمت میں۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہو جاتا ہے وہ ان لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے جو ہر قسم کے خوف سے مامون ہیں جو ہر قسم کی بھلائی، سعادت، نیکی، مسرت اور مدح و ثنا سے بہرہ ور ہیں۔ یہ اس لیے کہ لوط علیہ السلام ان صالحین میں سے ہیں جن کے اعمال درست اور احوال پاک ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام فاسد امور کو درست فرما دیا اور بندے کا درست ہونا اللہ تعالیٰ کی رحمت میں اس کے داخل ہونے کا سبب ہے جیسے بندے کا فاسد ہونا اس کے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور خیر سے محروم ہونے کا سبب ہے۔

صالحیت کے اعتبار سے انبیاء کرام علیہم السلام سب سے بڑے لوگ ہیں اس لئے صالحیت کے ساتھ ان کا وصف بیان فرمایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا مانگی: ﴿وَادْخُلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ﴾ (النمل: ۱۹، ۲۷) ”مجھے اپنی رحمت سے اپنے صالح بندوں میں شامل کر۔“

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ
اور یاد کیجئے نوح کو جب اس نے پکارا تھا اس سے پہلے پس قبول کی ہم نے (دعا) اُسکی اور نجات دی ہم نے اسے اور اس کے اہل (مومنوں) کو غم سے
الْعَظِيمِ ۝ وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا
جو بہت بڑا تھا ۝ اور مدد کی ہم نے اس کی اس قوم کے خلاف جنہوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو، بلاشبہ وہ تھے

قَوْمَ سَوَاءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

لوگ برے، پس غرق کر دیا ہم نے ان کو سب کو ۝

ہمارے بندے اور رسول نوح (علیہ السلام) کی مدح و ثناء بیان کرتے ہوئے ان کا ذکر کیجئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی طرف مبعوث فرمایا اور وہ ان کے اندر ساڑھے نو سو سال رہے ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلاتے رہے انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے سے روکتے رہے بار بار انہیں کھلے چھپے اور شب و روز اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وعظ و نصیحت اور زجر و توبیخ سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہو رہا تو انہوں نے اپنے رب کو پکارا اور دعا کی: ﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۚ إِنَّكَ إِن

تَذَرُهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ (نوح: ۲۷، ۲۶، ۲۵) ”اے میرے رب! روئے زمین پر کسی کافر کو آباد نہ رہنے دے اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور فاجر اور کافر اولاد ہی کو جنم دیں گے۔“ اللہ تبارک و تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا اور ان کو سیلاب میں غرق کر دیا، ان میں سے ایک شخص کو بھی زندہ باقی نہ چھوڑا۔ صرف نوح علیہ السلام ان کی ذریت اور مومنین باقی رہ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ٹھٹھا کرنے والی قوم کے خلاف ان کی مدد فرمائی۔

وَدَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمُونَ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَمُّ الْقَوْمِ ۚ
اور (یاد کیجیے) داؤد اور سلیمان کو جس وقت فیصلہ کر رہے تھے وہ دونوں کھیتی کی بابت جب کہ رات کو چرگئی تھیں اکمیں بکریاں ایک قوم کی،
وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿٢٨﴾ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ
اور تھے ہم ان کے فیصلہ کرنے کے وقت حاضر ○ پس سمجھا دیا ہم نے وہ (فیصلہ) سلیمان کو اور ہر ایک کو دیا ہم نے حکم اور علم،
وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ﴿٢٩﴾ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ
اور تابع کئے تھے ہم نے ساتھ داؤد کے پہاڑ، وہ تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی (تابع کیے) اور تھے ہم ہی کرنوالے ○ اور سکھائی ہم نے اسے کاریگری
لَبُوسٍ لَّكُمْ لِنَخْصِنَكُمْ مِّنْ بَأْسِكُمْ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ ﴿٣٠﴾ وَلَسُلَيْمَانَ الرِّيحَ
لباس (زر ہیں) بنانے کی تمہارے لئے تاکہ وہ (لباس) حفاظت کرے تمہاری تمہاری لڑائی سے تو کیا تم شکر کریں والے ہو؟ ○ اور سلیمان کیلئے ہوا
عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ط ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ
تندوتیز (تابع کردی ہم نے)، وہ چلتی تھی اسکے حکم سے طرف اس سرزمین کی وہ جو برکت دی تھی ہم نے اکمیں، اور تھے ہم ہر چیز کو
عَلِيمِينَ ﴿٣١﴾ وَمِنَ الشَّيْطَانِ مَن يَغْوِصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ ۚ
جاننے والے ○ اور کچھ شیطان بھی (ہم نے اسے تابع کر دیئے تھے) وہ جو غوطہ لگاتے تھے اس کیلئے اور کرتے تھے (اور بھی) کئی کام سوائے اسکے
وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ ﴿٣٢﴾

اور تھے ہم ہی انکی حفاظت کرنوالے ○

ہمارے دو انبیائے کرام سلیمان اور داؤد علیہ السلام کا مدح و ثنا کے ساتھ ذکر کیجئے جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان دونوں کو وسیع علم سے نوازا اور انہیں بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کی صلاحیت بخشی اور اس کی دلیل یہ ہے۔ ﴿إِذْ يَحْكُمُونَ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَمُّ الْقَوْمِ﴾ یعنی جب ایک کھیتی کا مالک ان کے پاس فیصلہ کروانے کے لئے آیا جسے دوسرے لوگوں کی بکریاں چرگئی تھیں، یعنی رات کے وقت کھیت میں داخل ہو گئیں اور اس کے درختوں اور تمام فصل کو چر گئیں۔ اس جھگڑے میں داؤد علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ تمام بکریاں کھیتی کے مالک کو دے دی جائیں کیونکہ بکریوں کے مالک عام طور پر کوتاہی سے کام لیتے ہیں۔ پس اس طرح آپ نے ان کو سزا دی۔ سلیمان

ﷺ نے اس قضیے میں حق و صواب کے مطابق فیصلہ سنایا کہ بکریوں کے مالک اپنی بکریاں کھیتی کے مالک کے حوالے مالک کر دیں تاکہ وہ ان بکریوں کے دودھ اور اون سے فائدہ اٹھائے اور بکریوں کے مالک اس کے باغ اور کھیت میں اس وقت تک کام کریں گے جب تک کہ باغ اپنی پہلی حالت پر نہیں آتا۔ جب باغ اپنی پہلی حالت پر واپس آ جائے تو دونوں ایک دوسرے کا مال لونا دیں اور ہر شخص اپنا اپنا مال لے لے۔ یہ فیصلہ حضرت سلیمان ﷺ کے کمال فہم اور فطانت پر دلالت کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَفَهَّمْنَهَا سُلَيْمَانَ﴾ یعنی ہم نے سلیمان کو اس قضیے کا فہم عطا کیا۔ یہ چیز اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ داؤد علیہ السلام کو کسی دوسرے قضیے کا فہم بھی عطا نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے ان دونوں کا ذکر فرمایا اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مقدس ہے ﴿وَكُلًّا﴾ ”اور ہر ایک کو“، یعنی داؤد اور سلیمان علیہ السلام کو ﴿اَتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ ”دیا ہم نے حکم اور علم“، فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور علم سے ہم نے دونوں کو سرفراز کیا تھا۔

یہ واقعہ دلالت کرتا ہے کہ حاکم جب کوئی فیصلہ کرتا ہے تو اس کا فیصلہ کبھی تو حق و صواب کے موافق ہوتا ہے اور کبھی اس میں اس سے خطا بھی ہو جاتی ہے۔ اگر فیصلے میں کوشش و اجتہاد کے باوجود اس سے خطا ہو جائے تو وہ ملامت کا مستحق نہیں۔

پھر ان مخصوص امور کا ذکر فرمایا جن سے ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ نوازا گیا تھا۔ فرمایا: ﴿وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ﴾ ”اور تابع کر دیے ہم نے داؤد کے پہاڑ وہ تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی۔“ ذکر کیا جاتا ہے کہ داؤد علیہ السلام سب سے زیادہ عبادت گزار اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تسبیح و تحمید کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوبصورت اور نرم آواز اور رقت عطا کی تھی جو کسی اور کو عطا نہیں ہوئی۔ جب آپ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد و ثناء بیان کرتے تو ٹھوس پتھر گونگے پرندے اور بے شعور جانور بھی ان کے ہم زبان ہو جاتے اور یہ داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا اس لئے فرمایا: ﴿وَكُنَّا فاعِلِينَ﴾ یعنی اس فعل کو کرنے والے ہم ہی تھے۔

﴿وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو زرہ بکتر بنانے کا علم بخشا اور حضرت داؤد علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے زرہ بکتر بنائی اور پھر اس کا علم آئندہ آنے والوں کی طرف منتقل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا اور ان کو زرہ بنانا سکھایا اس میں بہت بڑا فائدہ ہے۔ ﴿لِيُخَصِّنْكُمْ مِّنْ بَأْسِكُمْ﴾ یعنی سخت لڑائی اور جنگ میں تمہاری حفاظت کرنے والی ہے۔ ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ﴾ یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہو جو اس نے اپنے بندے داؤد علیہ السلام کے توسط سے تمہیں عطا کی؟ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَجَعَلْ لَّكُمْ سَرَابِیلَ تَقِیْكُمْ الْحَرَّ وَسَرَابِیلَ تَقِیْكُمْ بَأْسَكُمْ كَذٰلِكَ یُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (النحل: ۸۱/۸۲) ”اور تمہارے لئے ایسی پوشاک بنائی جو گرمی سے تمہاری حفاظت کرتی ہے

اور ایسی پوشاک بنائی جو جنگ میں تمہاری حفاظت کرتی ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کرتا ہے شاید کہ تم سر تسلیم خم کرو۔“

اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا داود علیہ السلام کو زرہ بکتر بنانا سکھانا اور ان کے لئے لوہے کو نرم کرنا، خارق عادت امر ہو..... جیسا کہ مفسرین کہتے ہیں..... اللہ تعالیٰ نے داود علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا۔ وہ لوہے کو آگ میں پگھلائے بغیر اسی طرح استعمال میں لاتے تھے گویا کہ وہ گندھا ہوا آٹا اور گندھی مٹی ہو۔

اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ عادت جاریہ کے مطابق انہیں لوہے کو استعمال میں لانا سکھایا گیا ہو۔ اللہ کی طرف سے لوہے کو نرم کرنے کی تعلیم ان معروف اسباب میں سے ہو جن کے ذریعے سے آج کل لوہا پگھلایا جاتا ہے..... اور یہی رائج ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا اور ان کو اس پر شکر کرنے کا حکم دیا اور اگر صنعت آہن گری ان امور میں سے نہ ہوتی جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تصرف کی قدرت عطا کی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر اس احسان اور اس کے فوائد کا ذکر نہ کرتا کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ داود علیہ السلام کی جن زرہوں کے بنانے کا ذکر ہے اس سے مراد متعین زرہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے تو زرہ بکتر کی جنس کا ذکر کر کے اپنا احسان یاد دلایا ہے ورنہ احتمال جس کا ذکر اصحاب تفسیر کرتے ہیں تو اس کی کوئی دلیل نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ﴿وَاللّٰهُ الْغَفُورُ الرَّحِيْمُ﴾ (سبا: ۱۰۱۳) ”ہم نے اس کے لئے لوہے کو نرم کر دیا۔“ اور اس میں یہ واضح نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو بغیر کسی سبب کے نرم کر دیا تھا۔ واللہ اعلم۔

﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحُ﴾ یعنی ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا ﴿عَاصِفَةً﴾ جو بہت تیز چلتی تھی۔ ﴿تَجْرِي بِأَمْرِهِ﴾ جہاں چلنے کا اس کو حکم دیا جاتا تھا ہوا اس حکم کی اطاعت کرتی تھی۔ صبح کے وقت اس کا چلنا ایک مہینے کی منزل تک تھا اور شام کے وقت اس کا چلنا ایک مہینے کی منزل تک تھا۔ ﴿إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا﴾ ”اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی تھی۔“ یعنی سر زمین شام جو سلیمان علیہ السلام کا مستقر تھا وہ ہوا کے دوش پر مشرق و مغرب میں سفر کرتے تھے اور ہوا کا ٹھکانا اور لوٹنا ارض مقدس کی طرف ہوتا تھا۔ ﴿وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمِينَ﴾ ہمارا علم تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے ہم نے داود اور سلیمان (علیہ السلام) کو ان امور کی تعلیم دی جن کے ذریعے سے ہم نے ان کو اس مقام پر پہنچایا جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔

﴿وَمِنَ الشَّيْطَانِ مَنْ يَّغْوِي صُوفَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ﴾ اور جنات میں سے بھی ہم نے بہت سے ان کے تابع کر دیے تھے جو ان کے لیے غوطے لگاتے تھے اور اس کے علاوہ کئی کام کرتے تھے۔“ یہ چیز بھی سلیمان علیہ السلام کے خصائص میں شمار ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جن اور عفریت مسخر کر دیئے اور آپ کو ان پر تسلط بخشا۔ وہ آپ کے لئے بڑے بڑے کام کرتے تھے اور ان میں سے بہت سے کاموں کو ان کے سوا

کوئی اور نہیں کر سکتا تھا۔ ان میں کچھ جن وہ تھے جو سمندر میں غوطہ لگاتے اور اس کی تہہ سے موتی نکالتے تھے اور کچھ وہ تھے جو ان کے لئے ﴿مَحَارِبَ وَ تِمَائِثِلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رُئِيسَاتٍ﴾ (سبا: ۱۳۱-۱۳۴) ”اوپنچی محرابیں (عمار تیں) تصویریں بڑے بڑے حوض کی مانند لگن اور اپنی جگہ پر جمی ہوئی بڑی بڑی دگیں“ بناتے تھے۔ اور ان میں سے ایک گروہ کو بیت المقدس کی تعمیر کے لئے مخر کر رکھا تھا۔ جب سلیمان علیہ السلام نے وفات پائی تو جن بیت المقدس کی تعمیر میں مصروف تھے آپ کی وفات کے بعد ایک سال تک یہ کام کرتے رہے یہاں تک کہ ان کو آپ کی وفات کا علم ہو گیا جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

﴿وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ﴾ ”اور ہم ان کی حفاظت کرنے والے تھے۔“ یعنی وہ سلیمان علیہ السلام کی نافرمانی پر قادر نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت غلبہ اور تسلط کے ذریعے سے ان کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا مطیع کر رکھا تھا۔

وَ اَيُّوبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهُ اِنِّىْ مَسْنٰى الضُّرِّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِیْمِْنَ ﴿۹۶﴾
 اور (یاد کیجئے) ایوب کو جب پکارا تھا اس نے اپنے رب کو کہ بیشک پہنچی ہے مجھے تکلیف اور تو زیادہ رحم کرنے والا ہے سب رحم کرنے والوں سے ○
 فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَاَتَيْنَاهُ اَهْلَهُ وَ مِثْلَهُمْ مَعَهُمْ
 پس قبول کی ہم نے (دعا) اسکی پھر بنا دی ہم نے جو کچھ کہتی اسے کوئی تکلیف اور یاد ہم نے اسے اہل (کنہ) اسکا اور مثل اسکے اور لوگ بھی ساتھ اسکے

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرًا لِّلْعَبِيدِیْنَ ﴿۹۷﴾

رحمت کرتے ہوئے اپنی طرف سے اور نصیحت ہے عبادت کرنے والوں کے لئے ○

یعنی ہمارے بندے اور رسول ایوب (علیہ السلام) کا تعظیم و ثنا اور ان کی قدر و منزلت بڑھاتے ہوئے ذکر کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک نہایت ہی سخت آزمائش میں مبتلا کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو صابر اور اپنی ذات سے راضی پایا۔ اور یہ اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلا اور آزمائش کے طور پر شیطان کو آپ پر مسلط کر دیا گیا۔ شیطان نے آپ کے جسم پر پھونک ماری جس کے نتیجے میں جسم پر بڑے بڑے پھوڑے بن گئے وہ اس امتحان اور مصیبت میں مدت تک مبتلا رہے۔ اس دوران میں آپ کے گھر والے وفات پا گئے آپ کا تمام مال چلا گیا تب حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا: ﴿اِنِّىْ مَسْنٰى الضُّرِّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِیْمِْنَ﴾ ”مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“ پس انہوں نے اپنے حال کے ذکر کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اب تکلیف اپنی انتہاء کو پہنچ گئی ہے۔ ان کے رب نے اپنی بے پایاں رحمت سے ان کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا: ﴿اَرْكُضْ بِرِجْلِكَ هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَ شَرَابٌ﴾ (ص: ۴۲۱۳۸) ”زمین پر اپنا پاؤں مار یہ ہے ٹھنڈا پانی نہانے اور پینے کے لئے۔“

ایوب علیہ السلام نے زمین پر ایڑی ماری اور وہاں سے ٹھنڈے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ آپ نے اس پانی کو پیا

اور اس سے غسل کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تکلیف دور کر دی۔

﴿وَاتَيْنَهُ أَهْلَهُ﴾ یعنی ہم نے ان کو ان کا مال اور اہل و عیال واپس لوٹا دیئے ﴿وَمَثَلَهُمْ مَعَهُمْ﴾ اور ان کی مثل ان کے ساتھ اور۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عاقبت اہل و عیال اور بہت سامان عطا کیا ﴿رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ اپنی طرف سے مہربانی کرتے ہوئے۔ کیونکہ آپ نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ پر راضی رہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخروی ثواب سے پہلے دنیاوی ثواب سے سرفراز کیا۔ ﴿وَذَكَرَىٰ لِلْعَبِيدِينَ﴾ ہم نے اس واقعہ کو عبادت گزاروں کے لئے عبرت بنا دیا جو صبر سے کام لیتے ہیں۔ اگر لوگ دیکھیں کہ ایوب علیہ السلام کس آزمائش میں مبتلا ہوئے پھر اس مصیبت کے زائل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتنے بڑے ثواب سے نوازا تو صبر ہی کو اس کا سبب پائیں گے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کی ان الفاظ میں مدح فرمائی۔ ﴿إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِّعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ﴾ (ص: ۴۱۳۸) ”ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا، وہ بہترین بندہ اور اپنے رب کی طرف بہت ہی رجوع کرنے والا تھا۔“ جب اہل ایمان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو حضرت ایوب علیہ السلام کے اسوہ پر عمل کرتے ہوئے صبر کرتے ہیں۔

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ ﴿۸۵﴾ وَأَدْخَلْنَاهُمْ

اور (یاد کیجئے) اسماعیل اور ادريس اور ذوالکفل کو ہر ایک (ان میں سے) تھا صبر کرنے والوں سے ○ اور داخل کیا ہم نے انہیں

فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۸۶﴾

اپنی رحمت میں، بے شک وہ تھے صالح لوگوں میں سے ○

یعنی ہمارے چنے ہوئے بندوں اور انبیاء و مرسلین کو بہترین اسلوب میں یاد کیجئے اور مبلغ ترین پیرائے میں ان کی مدح و ثنا کیجئے، یعنی اسماعیل، ادريس، ذوالکفل اور بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیجئے۔ ﴿کُلٌّ﴾ یعنی تمام انبیاء جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے ﴿مِّنَ الصَّابِرِينَ﴾ صبر کرنے والے تھے۔ صبر سے مراد نفس کو اس کے طبعی میلان کی طرف مائل ہونے سے روکنا ہے اور یہ صبر تین انواع پر مشتمل ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر (یعنی اس کے حکموں کی پابندی) کرنا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے صبر کرنا (یعنی اس کے حکموں کی خلاف ورزی نہ کرنا)

۳۔ اللہ تعالیٰ کی تکلیف دہ قضا و قدر پر صبر کرنا۔

بندہ صبر کامل کے نام کا اس وقت تک مستحق نہیں ہوتا جب تک کہ صبر کی مذکورہ تینوں اقسام کا حق ادا نہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کرام کو صبر کی صفت کے ساتھ موصوف کیا ہے لہذا یہ بات دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے صبر کی ان تینوں اقسام کو پورا کیا اور صبر کا اسی طرح التزام کیا جس طرح کرنا چاہیے تھا، نیز ان کو

”صلاح“ کی صفت سے موصوف فرمایا جو مشتمل ہے ”صلاح قلب“ پر جو اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی محبت اور ہر وقت اس کی طرف اتنا بت سے حاصل ہوتی ہے اور ”صلاح لسان“ پر جس کا مطلب ہر وقت زبان کا اللہ کے ذکر سے تر رہنا ہے اور ”صلاح جوارح“ پر جس کا مطلب جوارح (اعضاء) کو اللہ کی اطاعت میں لگائے رکھنا اور نافرمانی سے ان کو روکے رکھنا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے صبر اور صلاح کی بناء پر اپنی بے پایاں رحمت کے سائے میں سمیٹ لیا، ان کو ان کے دیگر برادر انبیاء و مرسلین میں شامل کیا اور انہیں دنیاوی اور اخروی ثواب عطا کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا بڑا ثواب عطا نہ بھی کیا ہوتا تب بھی اللہ نے جو دنیا میں ان کا ذکر بلند کیا ہے اور آئندہ لوگوں میں انہیں سچی شہرت عطا کی ہے تو ان کے فضل و شرف کے لئے یہی کافی تھا۔

وَذَا النُّونِ اِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰی

اور (یاد کیجئے) مچھلی والے (یونس) کو، جب چلا گیا تھا وہ (اپنی قوم سے) ناراض ہو کر، پس گمان کیا اس نے کہ ہرگز نہیں بچے گی کہیں ہم اس پر پس پکارا اس نے

فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۙ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّٰلِمِیْنَ ﴿۹۷﴾

اندھیروں میں یہ کہہ نہیں ہے کوئی معبود (مشکل کشا) مگر تو ہی پاک ہے تو بلاشبہ میں ہی ہوں ظالموں میں سے ○

فَاَسْتَجَبْنَا لَهُ ۖ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْعَمَمِ ۚ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۸﴾

پس قبول کی ہم نے (دعا) اس کی اور نجات دی ہم نے اسے (اس) غم سے، اور اسی طرح نجات دیتے ہیں ہم مومنوں کو ○

یعنی ہمارے بندے اور رسول ذوالنون کو ذکر جیل اور شائے حسن کے ساتھ یاد کریں اور ذوالنون سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں، یعنی مچھلی والے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا آپ نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی مگر وہ ایمان نہ لائے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو نزول عذاب کی وعید سنائی اور عذاب کے نزول کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا۔ پس جب ان پر عذاب آیا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے عذاب دیکھ لیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑائے اور توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو ہٹا دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَا اِيْمَانُهَا اِلَّا قَوْمٌ يُّوَسُّ لَهَا اَمْنًا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَنَمَتْنَهُمْ اِلٰی حَيٰتٍ﴾ (یونس: ۹۸/۱۰) ”کوئی ایسی بستی کی مثال ہے جو عذاب دیکھنے

کے بعد ایمان لائی ہو اور اس کے ایمان لانے نے اس کو کوئی فائدہ دیا ہو۔ قوم یونس کے سوا۔ وہ لوگ جب ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں رسوا کن عذاب کو ٹال دیا اور ایک مدت تک کے لئے ہم نے اس کو

متاع دنیا سے بہرہ مندر رکھا۔“ اور فرمایا: ﴿وَاَرْسَلْنَاهُ اِلٰی مَلَاِئِكَةِ اَلْفٍ اَوْ زَيْدٌ وَّنْ ۙ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنَهُمْ اِلٰی حَيٰتٍ﴾

(الصَّفٰتُ: ۱۴۷/۳۷، ۱۴۸) ”اور ہم نے اسے ایک لاکھ یا اس سے کچھ زائد لوگوں کی طرف مبعوث کیا پس

وہ ایمان لے آئے اور ہم نے ایک وقت تک ان کو متاع دنیا سے بہرہ مندر رکھا۔“ یہ ایک بہت بڑی امت تھی جو

یونس علیہ السلام پر ایمان لائی۔ یہ واقعہ آپ کی سب سے بڑی فضیلت ہے۔ مگر حضرت یونس علیہ السلام، کسی گناہ کی بنا پر ناراضی کی حالت میں اپنے رب سے فرار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ وہ کونسا گناہ تھا اور اس کے تعین کی ہمیں حاجت بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۖ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۖ فَالْتَقَبَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ﴾ (الصَّافَّاتُ: ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲) جب وہ فرار ہو کر ایک بھری ہوئی کشتی کی طرف آیا۔ پس وہ قرعہ اندازی میں شامل ہوا اور ہار گیا۔ آخر مچھلی نے اس کو نگل لیا اور وہ ملامت زدہ تھا۔ یعنی وہ قابل ملامت فعل کا ارتکاب کرنے والے تھے۔

ظاہری طور پر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کا جلدی کرنا، قوم پر غصہ کرنا اور ان کے پاس سے نکل بھاگنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلے تھا۔ اور ان کو گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ان پر قدرت نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو مچھلی کے پیٹ میں محبوس نہیں کر سکتا، یا ان کا خیال تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نکل بھاگیں گے اور مخلوق میں سے کسی کو بھی ایسا گمان پیش آنے سے کچھ مانع نہیں مگر اس طرح کہ اس کو استقرار اور استمرار حاصل نہ ہو..... پس یونس علیہ السلام بھاگ کر کچھ لوگوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے..... اور انہوں نے آپس میں قرعہ اندازی کی کہ ان میں سے کس کو سمندر میں پھینکا جائے کیونکہ انہیں خوف تھا کہ اگر سب کشتی میں رہے تو کشتی ڈوب جائے گی۔ قرعہ یونس علیہ السلام کے نام کا نکلا اور ان کو سمندر میں پھینک دیا گیا۔ ایک بہت بڑی مچھلی ان کو نگل کر سمندر کی گہرائیوں میں لے کر چلی گئی۔ سمندر کی ان تاریکیوں میں حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ ”تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔“

پس حضرت یونس علیہ السلام نے اللہ کی کامل الوہیت کا اقرار کیا، اس کی ذات مقدس کو ہر نقص، ہر عیب اور ہر آفت سے منزہ اور پاک قرار دیا اور اپنے ظلم و جرم کا اعتراف کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ۖ لَكِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ (الصَّافَّاتُ: ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵) ”اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتا تو قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتا۔“

اسی لئے یہاں فرمایا: ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ﴾ ”ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات دی۔“ یعنی اس مصیبت سے نجات دی جس میں وہ مبتلا ہو گئے تھے۔ ﴿كَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔“ یہ ہر اس مومن کے لئے وعدہ اور بشارت ہے جو کسی مصیبت اور غم میں مبتلا ہو جائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو اس مصیبت سے نجات دے گا، اس کے ایمان کے سبب سے اس کی مصیبت کو دور کر دے گا۔ جیسا کہ اس نے حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔

وَذَكِّرْ يَا إِذْ نَادَىٰ رَبُّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿١٨٩﴾

اور (یاد کیجئے) ذکر کیا کہ جب پکارا تھا اس نے اپنے رب کو، اے میرے رب! نہ چھوڑ تو مجھے تنہا اور تنہی ہے سب سے بہترین وارث ۱۸۹

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۖ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيٰى وَاصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۖ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا

پس قبول کی ہم نے (دعا) اس کی، اور عطا کیا ہم نے اسےیحییٰ اور درست کر دیا ہم نے اس کیلئے اسکی بیوی کو بیشک وہ (انبیاء) تھے
يُسْرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَآ رَغْبًا وَ رَهْبًا ۖ وَكَانُوْٓا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝۹۰
جلدی کرتے نیکی کے کاموں میں اور پکارتے تھے ہمیں رغبت کرتے اور خوف کھاتے ہوئے، اور تھے وہ ہمارے لیے عاجزی کرنیوالے ۰

یعنی ہمارے بندے اور رسول زکریا علیہ السلام کو اس کی تعریف و تعظیم کے ساتھ اور ان مناقب و فضائل کا ذکر کرتے ہوئے یاد کیجئے۔ ان جملہ فضائل میں یہ عظیم منقبت بھی شامل ہے کہ انہوں نے مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کی اور ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہوئی۔ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا: ﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا﴾ اے رب! مجھے تنہا نہ چھوڑنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے کہا: ﴿رَبِّ اِنِّىْ وَهْنٌ الْعِظَمُ مِثِّىْ وَاشْتَغَلَ الرَّاسُ شَيْبًا وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَايِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝۹۱ وَ اِنِّىْ خِفْتُ الْمَوَالِىَ مِنْ وَّرَآءِىْ وَكَانَتْ اٰمْرًاۤى عَاقِرًا فَهَبْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝۹۲ يَّرِثْنِىْ وِىْرَثٌ مِّنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾ (مریم: ۴۱۹-۶) ”اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور پڑ گئیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو گیا۔ اے میرے رب! میں تجھ سے دعا مانگ کر کبھی نامراد نہیں رہا۔ مجھے اپنے پیچھے اپنے رشتہ داروں کے بارے میں خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے تو اپنی عنایت سے مجھے ایک وارث عطا کر جو میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب! تو اسے ایک پسندیدہ انسان بنا۔“
ان آیات کریمہ سے ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا﴾ سے مراد یہ ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ آپ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کرنے کے لئے کوئی آپ کا قائم مقام نہ ہوگا، نیز یہ کہ حضرت زکریا علیہ السلام اس وقت تنہا تھے کوئی ان کا خلف رشید نہ تھا جو دعوت میں ان کی اعانت کرتا۔

﴿وَ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ یعنی تو باقی رہنے والوں میں سب سے بہتر ہے اور بھلائی میں میرے کسی خلف رشید سے بہتر ہے اور تو اپنے بندوں کے ساتھ مجھ سے زیادہ رحم کرنے والا ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن اور نفس کو سکون حاصل ہو اور میرے لئے اس کا ثواب جاری رہے۔

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۖ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيٰى﴾ ”پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے یحییٰ عطا کیا۔“ جو ایسا مکرم نبی ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس نام کا کوئی شخص نہیں کیا ﴿وَاصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ﴾ ”اور ہم نے درست کر دیا اس کے لیے اس کی بیوی کو۔“ یعنی حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی بانجھ تھیں اور ان کا رحم بچہ پیدا کرنے کے قابل نہ تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی زکریا علیہ السلام کی خاطر ان کے رحم کو درست کر کے اسے حمل کے قابل بنا دیا۔
نیک ساتھی اور ہم نشین کے فوائد میں سے ہے کہ وہ اپنے ساتھی کے لئے بابرکت ہوتا ہے۔ پس حضرت یحییٰ علیہ السلام

ماں باپ میں (برکت کے لئے) مشترک ہو گئے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان تمام انبیاء و مرسلین کا فرداً فرداً ذکر کرنے کے بعد ان سب کو عمومی مدح و ثنا سے نوازا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسِيرُونَ فِي الْخَيْرَاتِ﴾ یعنی وہ نیکیوں میں سبقت کرتے تھے اوقات فاضلہ میں نیکیاں کرتے تھے اور ان کی تکمیل اس طریقہ سے کرتے تھے جو ان کے لائق اور ان کے لئے مناسب ہو۔ وہ مقدور و بھرپور فضیلت کو نہ چھوڑتے تھے اور فرصت کو غنیمت جانتے تھے۔ ﴿وَيَذَعُونَ نَارَ عَذَابٍ وَرَهْبًا﴾ یعنی ہم سے دنیا و آخرت کے مرغوب امور کا سوال کرتے تھے اور دنیا و آخرت کے ضرر و رساں خوفناک امور سے ہماری پناہ طلب کرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت رکھتے تھے وہ غافل اور کھیل کود میں ڈوبے ہوئے تھے نہ اللہ تعالیٰ کے حضور گستاخی اور جرأت کرتے تھے۔ ﴿وَكَانُوا لَنَا خُشْعِينَ﴾ یعنی ہمارے سامنے خشوع، تذلل اور انکساری کا اظہار کرتے تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنے رب کی کامل معرفت رکھتے تھے۔

وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً

اور (یاد رکھیے) اس عورت کو جس نے حفاظت کی تھی اپنی شرمگاہ کی، پس پھونکی ہم نے انہیں اپنی روح، اور بنایا ہم نے اسے اور اس کے بیٹے (عیسیٰ) کو (عظیم) نشانی

لِّلْعَالَمِينَ ﴿۹۱﴾ إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿۹۲﴾

جہاں والوں کے لئے ○ بلاشبہ یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں، سو تم میری ہی عبادت کرو ○

وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ

اور ٹکڑے ٹکڑے کر لیا انہوں نے اپنا کام آپس میں (وہ) سب ہماری ہی طرف لوٹنے والے ہیں ○ پس جو شخص عمل کرے نیک

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ ۖ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ﴿۹۴﴾

جبکہ وہ مومن ہو تو نہیں انکار کیا جائے گا اس کی کوشش کا اور بے شک ہم ہیں اس کے لیے لکھنے والے ○

یعنی مریم علیہا السلام کا ان کی مدح و ثنا کے ساتھ ان کی قدر و منزلت کا بیان اور ان کے فضل و شرف کا اعلان کرتے ہوئے ذکر کیجئے! فرمایا: ﴿وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ یعنی جس نے حرام کے قریب جانے سے بلکہ حلال سے بھی اپنی شرمگاہ کو بچائے رکھا۔ پس مریم علیہا السلام نے ہمہ وقت عبادت میں مشغول اور اپنے رب کی خدمت میں مستغرق رہنے کی وجہ سے شادی نہیں کی تھی۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام ایک کامل اور خوبصورت مرد کی شکل میں مریم علیہا السلام کے پاس آئے تو آپ کہنے لگیں: ﴿إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾ (مریم: ۱۸/۱۹) ”میں تجھ سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو ان کے عمل کی جنس ہی سے اس کا بدلہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بغیر باپ کے

ایک بیٹے سے نوازا۔ جبریل علیہ السلام نے پھونک ماری تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت مریم علیہا السلام کو حمل ٹھہر گیا

﴿وَجَعَلْنَهَا وَاِبْنَهَا اَيَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ اور کر دیا ہم نے اس کو اور اس کے بیٹے کو نشانی جہانوں کے لیے۔“ کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام کو بغیر کسی مرد کے چھوئے حمل ٹھہرا اور پھر بیٹے کو جنم دیا اور اس بیٹے نے گہوارے میں کلام کیا اور بہتان طراز آپ پر جو تہمت لگاتے تھے اس سے مریم علیہا السلام کی براءت کا اعلان کیا اور اسی حالت میں انہوں نے اپنے بارے میں آگاہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرمائے جو کہ سب کو معلوم ہیں۔

حضرت مریم اور ان کا فرزند ارجمند علیہم السلام تمام جہانوں کے لئے ایک نشانی بن گئے لوگ نسل در نسل اس واقعے کو بیان کرتے اور اس سے عبرت حاصل کرتے چلے آ رہے ہیں۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر فرمایا تو لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ﴿اِنَّ هَذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ یہ تمام انبیاء و مرسلین جن کا ذکر گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے وہ تمہاری امت اور تمہارے امام ہیں جن کی راہنمائی میں تم ان کے طریقے کی پیروی کرتے ہو۔ ان سب کا دین ایک سب کا راستہ ایک اور سب کا رب ایک ہے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿وَ اَنَا رَبُّكُمْ﴾ میں تمہارا رب ہوں جس نے تمہیں پیدا کیا اور دین و دنیا میں اپنی نعمت کے ذریعے سے تمہاری پرورش کی۔

جب تمہارا رب ایک تمہارا نبی ایک اور تمہارا دین ایک یعنی عبادت کی تمام انواع کے ذریعے ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا..... تو تمہارا وظیفہ اور تم پر فرض ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو اس لئے فرمایا: ﴿فَاعْبُدُون﴾ ”پس تم میری ہی عبادت کرو۔“ پس حرف ”فاء“ کے ذریعے سے اس جملے کو گزشتہ مضمون کے ساتھ اس طرح مرتب کیا جس طرح مسبب سبب پر مرتب ہوتا ہے۔

مناسب یہی تھا کہ اس امر پر سب کا اتفاق اور اجتماع ہوتا اور اس میں تفرق اور تشت نہ ہوتا مگر ظلم اور زیادتی سے افتراق اور تشت پیدا ہو کر رہی رہا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَنَقُطِّعُوا اَمْرَهُم بَيْنَهُمْ﴾ یعنی انبیائے کرام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والے فرقوں میں تقسیم اور تشت کا شکار ہو گئے۔ ان میں ہر فرقہ دعویٰ کرتا تھا کہ حق اس کے ساتھ ہے اور دوسرا فرقہ باطل پر ہے۔ ﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ (الروم: ۳۲/۳۰) ”ہر ایک گروہ ان باتوں پر جو ان کے پاس ہیں خوش ہے“ اور یہ بات معلوم ہے کہ ان میں سے راہ صواب پر صرف وہی ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کی اتباع کرتے ہوئے دین قویم اور صراط مستقیم پر گامزن ہے..... اور یہ حقیقت اس وقت ظاہر ہوگی جب پردہ ہٹ جائے گا اور اصلیت سامنے آجائے گی اور اللہ تعالیٰ فیصلوں کے لیے تمام لوگوں کو اکٹھا کرے گا تب اس وقت صاف نظر آئے گا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون اس لئے فرمایا: ﴿كُلُّ﴾ تمام فرقوں میں سے ہر فرقہ ﴿اَيْنَا رَاجِعُونَ﴾ ہماری ہی طرف لوٹے گا اور ہم اسے پوری پوری جزا دیں گے۔

پھر منظوق اور مفہوم کے اسلوب میں اس جزا کی تفصیل بیان کی فرمایا: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ﴾ یعنی

ایسے عمل کئے جن کو انبیائے کرام نے مشروع کیا اور کتب الہیہ نے ان کی ترغیب دی۔ ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ یعنی وہ اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں اور ان کی لائی ہوئی کتابوں پر ایمان رکھتا ہو۔ ﴿فَلَا كُفْرَانَ لِسَعِيدِهِ﴾ یعنی ہم اس کی کوششوں کو ضائع کریں گے نہ باطل کریں گے بلکہ اس کو کئی گنا بڑھا کر اجر عطا کریں گے۔ ﴿وَإِنَّا لَهُ لَكِتَبُونَ﴾ یعنی ہم اس کی کوشش کو لوح محفوظ اور ان صحیفوں میں لکھنے والے ہیں جو کراما کاتین کے پاس ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کوئی نیک کام کرے اور وہ مومن نہ ہو تو وہ ثواب آخرت سے محروم اور اپنے دین و دنیا میں خائب و خاسر ہوگا۔

وَحَرَمٌ عَلَى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۹۵﴾

اور لازم ہے اوپر اس بستی (والوں) کے کہ ہلاک کیا ہم نے اسے، بے شک وہ نہیں واپس لوٹیں گے ○

یعنی ان بستیوں کا جنہیں عذاب کے ذریعے سے ہلاک کر ڈالا گیا اپنی کوتاہیوں کی تلافی کی خاطر اس دنیا میں واپس لوٹنا ممکن نہیں پس ان کے لئے واپس لوٹنے کا کوئی راستہ نہیں جنہیں عذاب کے ذریعے سے ہلاک کر ڈالا گیا۔ اس لئے مخاطبین کو ان اعمال پر جتنے رہنے سے ڈرنا چاہیے جو ہلاکت کا باعث بنتے ہیں..... مبادا کہ یہ اعمال انہیں ہلاکت میں ڈال دیں اور اس وقت اس ہلاکت سے بچنا ممکن نہ ہوگا۔ اس لیے تلافی اور استدراک کے وقت اس قسم کے کاموں سے باز آ جانا چاہیے۔

حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ

یہاں تک کہ جب کھولے جائیں گے یا جوج اور ما جوج اور وہ ہر اونچی جگہ سے دوڑتے ہوں گے ○ اور قریب آ پہنچے گا الوعد الحق فاذا هي شاخصة ابصار الذين كفروا ط يُولِيْنَا قَدْ كُنَّا وعدہ سچا (قیامت کا)، پس ناگہاں پھٹی کی پھٹی رو جائیگی آنکھیں ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا (اور وہ کہیں گے) ہائے ہماری کم بختی اچھلتی تھے ہم

فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۹۷﴾

غفلت میں اس (قیامت) سے، بلکہ تھے ہم ہی ظالم ○

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے لئے تحذیر ہے کہ وہ اپنے کفر اور معاصی پر جتنے نہ رہیں۔ یا جوج و ما جوج کے کھلنے کا وقت قریب ہے اور یا جوج و ما جوج بنی آدم کے دو قبیلوں کا نام ہے۔ جب ذوالقرنین سے ان کے فساد فی الارض کا شکوہ کیا گیا تو اس نے درے کو دیوار کے ذریعے بند کر کے ان کا راستہ مسدود کر دیا۔ آخری زمانے میں یہ درہ کھل جائے گا اور وہ اس طرح لوگوں کی طرف نکلیں گے جیسے اللہ نے یہاں ذکر فرمایا ہے کہ وہ نہایت تیزی سے ہر میلے سے نیچے اترتے نظر آئیں گے۔ یہ آیت کریمہ ان کی کثرت اور نہایت تیزی کے ساتھ ان کے زمین میں پھیل جانے پر دلالت کرتی ہے۔ ان کی نقل و حرکت میں سرعت یا تو اس وجہ سے ہوگی کہ وہ جسمانی اعتبار سے

نہایت پھرتیلے اور سریع الحركت ہوں گے یا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ان اسباب کی وجہ سے، جو دور کی مسافتوں کو قریب اور آسان کر دیں گے۔ وہ لوگوں پر قہر بن کر ٹوٹیں گے اور اس دنیا میں ان پر غالب آ جائیں گے، نیز یہ کہ کسی کے اندر ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہوگی۔

﴿وَأَقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾ اور قریب آ لگے گا برحق وعدہ۔ یعنی قیامت کا دن جس کے آنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے اور اس کا وعدہ سچا اور برحق ہے۔ پس اس روز گھبراہٹ، خوف اور ہلا دینے والے زلزلوں سے کفار کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی کیونکہ انہیں اپنے جرائم اور گناہوں کا علم ہوگا۔ وہ موت کو پکاریں گے اور اپنی کوتاہیوں پر ندامت اور حسرت کا اظہار کریں گے کہیں گے: ﴿قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا﴾ ہم اس عظیم دن سے غافل تھے، پس دنیا کے لہو و لعب میں مستغرق رہے حتیٰ کہ فرشتہ اجل آ گیا اور ہم قیامت کی گھاٹی میں اتر گئے۔ اگر کوئی حسرت و ندامت کی وجہ سے مر سکتا تو وہ ضرور مرتے۔ وہ کہیں گے ﴿بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ﴾ بلکہ ہم ہی ظالم تھے۔ وہ اپنے ظلم اور اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے عدل کا اعتراف کریں گے۔ اس وقت حکم دیا جائے گا کہ انہیں اور ان کے ان معبودوں کو جہنم میں جھونک دو جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے۔ اس لئے فرمایا:

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَرِدُونَ ﴿۹۸﴾
 بلاشبہ تم اور وہ جن کی تم عبادت کرتے تھے سوائے اللہ کے، ایندھن ہو گے جہنم کا تم اس میں وارد ہونے والے ہو
 لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ إِلَهًا مَّا وَرَدُوهَا وَلَا يَخْلُدُونَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيهَا
 اگر ہوتے یہ (واقعی) معبود تو نہ وارد ہوتے اس جہنم میں، اور وہ سب اس میں ہمیشہ رہیں گے ان کے لئے اس میں
 زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿۱۰۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ
 چیخنا چلا نا ہوگا اور وہ انہیں (کچھ) نہ سنیں گے بے شک وہ لوگ کہ پہلے سے ٹھہر چکی ہے ان کیلئے ہماری طرف سے نیکی، وہ لوگ
 عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ
 اس سے دور رکھے جائیں گے انہیں سنیں گے وہ آہٹ تک اسکی، اور وہ ان (نعمتوں) میں کہ جنہیں چاہیں گے نفس انکے
 خَالِدُونَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ
 ہمیشہ رہیں گے انہیں غمگین کرے گی انہیں گھبراہٹ بڑی اور ملیں گے ان کو فرشتے (یہ کہتے ہوئے کہ)

هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۱۰۳﴾

یہ ہے تمہارا دن وہ جو تمہیں تم (اس کا) وعدہ دیئے جاتے

یعنی اے وہ لوگو! جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی عبادت کرتے ہو ﴿حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ تم سب جہنم کا ایندھن ہو ﴿أَنْتُمْ لَهَا وَرِدُونَ﴾ تمہیں اور تمہارے بتوں کو جہنم میں جھونکا جائے گا۔

بتوں کو جہنم میں جھونکنے میں حکمت یہ ہے..... حالانکہ یہ پتھر ہیں، عقل و شعور نہیں رکھتے اور ان کا کوئی گناہ بھی نہیں..... کہ ان کا کذب و افتراء واضح ہو جائے جنہوں نے ان بتوں کو معبود بنا رکھا تھا اور تاکہ ان کے عذاب میں اضافہ ہو۔

اس لئے فرمایا: ﴿لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ اِلٰهَةً مَا وَدَّوْهَا﴾ ”اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو جہنم میں کبھی داخل نہ ہوتے۔“ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مقدس کی مانند ہے۔ ﴿لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلِفُونَ فِيهِ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنَّهُمْ كَانُوا كَذِبِيْنَ﴾ (النحل: ۶، ۳۹) ”تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے سامنے اس حقیقت کو واضح کر دے جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں، اور تاکہ کفار جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔“ اور عابد و معبود سب ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اس سے کبھی باہر نہیں نکلیں گے اور نہ جہنم سے کسی اور جگہ منتقل ہوں گے۔

﴿لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ﴾ ”وہ جہنم میں پھنکائیں گے“ شدت عذاب کی وجہ سے ﴿وَهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ ”وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہوں گے یا جہنم کے سخت بھڑکنے، اس کے غیظ و غضب اور اس کی پھنکار کے باعث، جہنم کی آواز کے سوا کوئی اور آواز نہیں سن سکیں گے۔“

اور مشرکین کے معبودوں کا جہنم میں داخل ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ پتھر کے بت ہیں یا صرف اس شخص کو اپنی عبادت کرنے والوں کے ساتھ جہنم میں جھونکا جائے گا جو اپنی عبادت کئے جانے پر راضی تھا۔ رہے حضرت مسیح، حضرت عزیر علیہ السلام، فرشتے اور اولیاء کرام جن کی عبادت کی جاتی ہے تو ان کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت آتے ہیں۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی﴾ ”اور وہ لوگ کہ سبقت کر گئی ان کے لیے ہماری طرف سے بھلائی۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کے لئے پہلے ہی سے لوح محفوظ میں سعادت لکھ دی گئی اور دنیا میں نیک اعمال ان کے لئے آسان کر دیئے گئے ہیں۔ ﴿اَوَلَيْكَ عَنٰهَا﴾ ”یہ لوگ اس سے۔“ یعنی جہنم سے ﴿مُبْعَدُوْنَ﴾ ”دور رکھے جائیں گے۔“ پس وہ جہنم میں داخل ہوں گے نہ جہنم کے قریب جائیں گے بلکہ وہ اس سے انتہائی حد تک دور رہیں گے حتیٰ کہ اس کی آواز تک نہیں سنیں گے اور نہ اس کا نظارہ کر سکیں گے۔

﴿وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ﴾ ”یعنی وہ اپنے من چاہے ماکولات، مشروبات، بیویوں اور دلکش مناظر میں ہمیشہ رہیں گے، جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں ان کے طائر خیال کا گزر ہوا ہے۔“ یہ نعمتیں ان کے لئے ہمیشہ رہیں گی ان کا حسن سالہا سال گزرنے پر بھی روز افزوں ہی رہے گا۔ ﴿لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَرٰغُ اِلَّا كِبَرٌ﴾ ”نہیں غم میں ڈالے گی انہیں بڑی گھبراہٹ۔“ یعنی جب لوگ بہت زیادہ گھبراہٹ میں ہوں گے تو انہیں کسی قسم کا قلق نہ ہوگا اور یہ قیامت کے روز ہوگا۔ جب جہنم کو قریب لایا جائے گا جہنم کفار اور نافرمان لوگوں پر سخت غضبناک ہوگی، اس بنا پر لوگ سخت گھبراہٹ میں مبتلا ہوں گے۔ مگر انہیں کوئی غم نہ ہو

گا کیونکہ انہیں علم ہوگا کہ وہ اللہ کے پاس کیا لے کر حاضر ہوئے ہیں، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس چیز سے مامون کر دیا ہے جس سے وہ ڈرتے تھے۔

﴿وَتَتْلُوهُمْ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اور ہاتھوں ہاتھ لیں گے ان کو فرشتے۔ جب فرشتے ان کو ان کی قبروں سے اٹھائیں گے اور وہ نیک لوگوں کے پاس ان کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے وفد کی صورت میں آئیں گے اور ان کو مبارک دیتے ہوئے کہیں گے: ﴿هٰذَا يَوْمُكُمْ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ﴾ یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ لہذا تمہیں مبارک ہو وہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا ہے..... تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عزت و تکریم تمہاری منتظر ہے اس پر تمہیں بہت زیادہ خوش ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں خوفناک اور ناپسندیدہ حالات سے تمہیں محفوظ و مامون رکھا ہے اس پر تمہیں بے پایاں فرحت اور سرور ہونا چاہئے۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكِتٰبِ ۚ كَمَا بَدَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ

(یاد کیجئے) جس دن لپیٹیں گے ہم آسمان کو مانند لپٹنے کاغذ کے جو لکھا ہوا ہو جس طرح پہلے پہل کی تھی ہم نے پہلی (مرتبہ) پیدائش

نُعِيْدُہٗ ۚ وَوَعَدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلٰیْنَ ۝۱۰۰ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ

(اسی طرح) ہم لوٹا کیٹے اسکو، وعدہ ہے ہمارے ذمے، بلاشبہ ہم ہیں کرنے والے ۱۰۰ اور البتہ تحقیق لکھی ہے ہم نے زبور میں

مِنْۢ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُہَا عِبَادِی الصّٰلِحُوْنَ ۝۱۰۱

بعد نصیحت کے (یہ بات کہ) بے شک زمین، وارث ہوں گے اس کے میرے بندے نیک ۱۰۱

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ قیامت کے روز آسمانوں کو ان کی عظمت اور وسعت کے باوجود لپیٹ دے گا جس طرح کاتب ورق کو لپیٹتا ہے یہاں (السجل) سے مراد ورق ہے جس کے اندر کچھ تحریر کیا گیا ہو۔ پس آسمان کے تمام ستارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔ سورج اور چاند اپنی روشنی سے محروم ہو کر اپنی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ ﴿كَمَا بَدَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيْدُہٗ﴾ ہم مخلوق کو دوبارہ اسی طرح پیدا کریں گے جس طرح ہم نے ان کو ابتدا میں پیدا کیا تھا۔ پس جس طرح ہم نے ان کو اس وقت پیدا کیا جب وہ کچھ بھی نہ تھے اسی طرح ہم ان کو ان کے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کریں گے۔

﴿وَعَدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلٰیْنَ﴾ یعنی جو ہم نے وعدہ کیا ہے اس کو پورا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرنے کی پوری پوری قدرت رکھتا ہے اور کوئی چیز اس کے لئے ناممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ﴾ اور ہم نے لکھا زبور میں۔ اور وہ ہے لکھی ہوئی کتاب اور اس سے مراد ہے کتب الہیہ، مثلاً تورات وغیرہ ﴿مِنْۢ بَعْدِ الذِّکْرِ﴾ ذکر (میں لکھنے) کے بعد۔ یعنی ہم نے کتاب سابق لوح محفوظ یعنی ام الکتاب میں لکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتابوں میں لکھ دیا۔ تمام تقدیریں ام الکتاب کے موافق واقع ہوتی ہیں

اور اس میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ﴿أَنَّ الْأَرْضَ﴾ بلاشبہ زمین، یعنی جنت کی زمین ﴿يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ ”اس کے وارث ہوں گے میرے نیک بندے۔“ جو مامورات کو قائم اور منہیات سے اجتناب کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ جنت کا وارث بنائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کا قول نقل فرمایا: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ﴾ (الزمر: ۷۴/۳۹) ”ہر قسم کی حمد و ثناء اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہمارے ساتھ اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا اور ہمیں زمین کا وارث بنایا ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں۔“

اس آیت کریمہ میں یہ احتمال بھی ہے کہ زمین سے مراد زمین کی خلافت ہو۔ اللہ تعالیٰ صالحین کو زمین میں اقتدار عطا کرے گا اور ان کو زمین کا والی بنائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (النور: ۵۵/۲۴) ”اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ کیا ہے جو ایمان لائیں گے اور نیک کام کریں گے کہ وہ ان کو اسی طرح زمین کی خلافت عطا کرے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو عطا کی تھی۔“

إِنَّ فِي هَذَا بَلَاغًا لِقَوْمٍ غَيْبِينَ ۝ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝
بلاشبہ اس (وعدہ و نصیحت) میں البتہ کفایت ہے ان لوگوں کیلئے جو عبادت کر نیوالے ہیں ○ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر رحمت بنا کر تمام جہانوں کیلئے ○
قُلْ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِإِلَهِهِ الْإِنْسَانُ الْأَلْحَقُ ۚ أَنَّىٰ لَّهِ الْهَكْمُ إِلَهُ ۚ وَاحِدٌ ۚ فَهَلْ أَنتُمْ مُّسْلِمُونَ ۝
آپ کہہ دیجئے! یقیناً وہی کجیاتی ہے میری طرف (یہ بات کہ) بلاشبہ تمہارا معبود، معبود ایک ہی ہے، پس کیا تم انکی فرماں برداری کر نیوالے ہو؟ ○
فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ أَذْنُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۖ وَإِنْ أَدْرِي أَقْرَبُ أَمْ بَعِيدُ ۚ
پس اگر وہ منہ موڑ لیں (اس سے) تو کہہ دیجئے! خبردار کر دیا ہے میں نے تمہیں اوپر برابری کے اور نہیں جانتا میں کہ آیا قریب ہے یا بعید
مَا تُوعَدُونَ ۚ ۙ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ۚ ۙ وَإِنْ
وہ جو تم وعدہ دیئے جاتے ہو؟ ○ بیشک اللہ جانتا ہے پکار کر کہی ہوئی بات کو اور وہ جانتا ہے (اسے بھی) جو تم چھپاتے ہو ○ اور نہیں
أَدْرِي لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۚ ۙ قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۚ
جانتا میں شاید کہ وہ آزمائش ہو تمہارے لئے اور فائدہ اٹھانا ایک وقت (معیّن) تک ○ اس (رسول) نے کہا اے میرے رب! فیصلہ فرما تو ساتھ حق کے،

وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝

اور ہمارا رب نہایت مہربان ہے، وہ جس سے مدد طلب کی جاتی ہے اوپر ان باتوں کے جو تم بیان کرتے ہو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی کتاب عزیز، قرآن کریم کی ستائش کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ قرآن کریم میں ہر چیز سے مکمل کفایت ہے اور اس سے مستغنی نہیں رہا جاسکتا، چنانچہ فرمایا: ﴿إِنَّ فِي هَذَا بَلَاغًا لِقَوْمٍ غَيْبِينَ﴾

”بے شک اس میں البتہ کفایت ہے عبادت گزار لوگوں کے لیے۔“ یعنی وہ اپنے رب اور اس کے عزت و تکریم کے گھرتک پہنچنے کے لئے قرآن عزیز پر اکتفاء کرتے ہیں۔ پس یہ گراں قدر کتاب ان کو جلیل ترین مقاصد اور افضل ترین مرغوبات تک پہنچاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کے لئے جو سب سے زیادہ فضل و شرف کے حامل ہیں اس سے آگے اور کوئی منزل نہیں کیونکہ قرآن ان کے رب کی اس کے اسماء و صفات اور افعال کے ذریعے سے معرفت کے لیے کفیل ہے اور غیب کی خبریں بیان کرنے اور حقائق ایمان اور شواہد ایقان کی دعوت کا بھی کفیل ہے قرآن ہی تمام مامورات اور تمام منہیات کو بیان کرتا ہے یہ قرآن ہی ہے جو نفس و عمل کے عیوب اور دین کے دقیق و جلیل معاملات میں ان راستوں کی نشاندہی کرتا ہے جن پر اہل ایمان کو گامزن رہنا چاہیے اور یہ قرآن ہی ہے جو شیطان کے راستوں پر چلنے سے بچاتا ہے اور انسان کے عقائد و اعمال میں اس کی مداخلت کے دروازوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ جسے قرآن غنی نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کو غنی نہ کرے اور جس کے لئے قرآن کافی نہیں اللہ اس کو کفایت نہ کرے۔

پھر اپنے رسول (ﷺ) کی جو قرآن لے کر آئے مدح بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ پس آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے اس کی رحمت کا تحفہ ہیں۔ پس اہل ایمان نے اس رحمت کو قبول کیا اس کی قدر کی اور اس کے تقاضوں پر عمل کیا اور جو آپ پر ایمان نہ لائے انہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اس کی اس رحمت اور نعمت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

﴿قُلْ﴾ اے محمد ﷺ کہہ دیجئے! ﴿إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِإِيَّائِي أَنَّمَا إِلَهُمُ إِلَهٌ وَاحِدٌ﴾ ”میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔“ جس کے سوا کوئی ہستی عبادت کی مستحق نہیں اس لئے فرمایا ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ یعنی کیا تم اس کی عبودیت کو اختیار اور اس کی الوہیت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہو؟..... اگر وہ ایسا کریں تو انہیں اپنے رب کی ستائش کرنی چاہیے کہ اس نے ان کو اس نعمت سے سرفراز کیا جو تمام نعمتوں پر فوقیت رکھتی ہے۔

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ اگر وہ اپنے رب کی عبودیت سے منہ موڑ لیں تو ان کو گزری ہوئی قوموں پر نازل ہونے والے عذاب اور سزا سے ڈراؤ! ﴿فَقُلْ أَذَنْتَكُمْ﴾ یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے بارے میں تمہیں آگاہ کر دیا ہے ﴿عَلَىٰ سَوَاءٍ﴾ ”برابری پر۔“ یعنی میں اور تم اس حقیقت کو برابر طور پر جانتے ہیں اس لئے جب تم پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا برے تو یہ نہ کہنا ﴿مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ﴾ (المائدہ: ۱۹۱) ”ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا آیا ہے نہ کوئی ڈرانے والا۔“ بلکہ ہم اس حقیقت سے برابر طور پر آگاہ ہیں کیونکہ میں تم کو ڈرا چکا ہوں اور تمہیں کفر کے انجام کے بارے میں آگاہ کر چکا ہوں اور میں نے تم سے کچھ بھی نہیں چھپایا۔

﴿وَإِنْ أَدْرَىٰ أَقْرَبَ أَمْ بَعِيدٌ مَّا تُوعَدُونَ﴾ یعنی جس عذاب کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے (میں) نہیں جانتا کہ وہ عذاب قریب آن لگا ہے یا دور ہے (کیونکہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اسی کے قبضہ قدرت میں ہے میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔

﴿وَإِنْ أَدْرَىٰ لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ﴾ یعنی..... شاید اس عذاب میں تاخیر جس کے لئے تم جلدی مچارہ ہو تمہارے لئے بہت بری ہے اور اگر تم ایک وقت مقرر تک اس دنیا سے متمتع ہوتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہت بڑے عذاب کا باعث ہوگا۔

﴿قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ﴾ ”کہا اے میرے رب! حق کے ساتھ فیصلہ کر دے“ یعنی ہمارے اور کافروں کی قوم کے درمیان۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور اس دنیا میں ان کے درمیان فیصلہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر وغیرہ میں ان کافروں کو سزا دے دی۔ ﴿وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ یعنی تم جو باتیں بناتے ہو ان کے مقابلے میں ہم اپنے رب رحمن ہی سے سوال کرتے ہیں اور اسی سے مدد کے طلب گار ہیں ہم عنقریب تم پر غالب آئیں گے اور عنقریب تمہارا دین ختم ہو جائے گا۔ پس اس بارے میں ہم کسی خود پسندی میں مبتلا ہیں نہ ہم اپنی قوت و اختیار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہم تو رب رحمن سے مدد مانگتے ہیں جس کے قبضہ قدرت میں تمام مخلوق کی پیشانی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہم نے رب رحمن سے جس امر کے بارے میں استعانت طلب کی ہے وہ اپنی رحمت سے ضرور اس کو پورا کرے گا..... اور اس نے ایسا کیا۔ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ.

تفسیر سورۃ الحج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شریعہ) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

سورۃ الحج
(۲۲) مکیہ (۲۵۳)

ایمانیہ
(۱۰)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۖ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝

لوگوں کو نشتے میں (مدہوش) حالانکہ نہیں ہوں گے وہ نشتے میں لیکن عذاب اللہ کا شدید ہوگا ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ وہ اپنے رب سے ڈریں جس نے ظاہری اور باطنی نعمتوں کے ذریعے سے ان کی پرورش کی اس لئے ان کے لائق یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں، شرک، فسق اور

نافرمانی کو ترک کر دیں اور جہاں تک استطاعت ہو اس کے احکام پر عمل کریں پھر ان امور کا ذکر فرمایا جو تقویٰ اختیار کرنے میں ان کی مدد کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ڈراتے ہیں جو تقویٰ کو ترک کر دیتے ہیں اور وہ ہے قیامت کی ہولناکیوں کی خبر دینا چنانچہ فرمایا: ﴿إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ﴾ ”بے شک قیامت کا بھونچال بہت بڑی چیز ہے۔“ کوئی اس کا اندازہ کر سکتا ہے نہ اس کی کنہ کو پہنچ سکتا ہے۔

جب قیامت واقع ہوگی تو زمین کو نہایت شدت سے ہلا دیا جائے گا زمین میں زلزلہ آجائے گا پہاڑ پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور بھر بھری ریت کے ٹیلوں کی شکل اختیار کر لیں گے پھر غبار بن کر اڑ جائیں گے پھر لوگ تین اقسام میں منقسم ہو جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائے گا سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے ستارے بکھر جائیں گے ایسے خوفناک زلزلے آئیں گے کہ خوف کے مارے دل پھٹ جائیں گے خوف سے بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے اور بڑی بڑی سخت چٹانیں پگھل جائیں گی۔

اس لئے فرمایا: ﴿يَوْمَ تَرَوْهَا تَذْهَبُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ﴾ ”جس دن تم اسے دیکھ لو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی۔“ حالانکہ دودھ پلانے والی ماں کی جبلت میں اپنے بچے کی محبت رچی بسی ہوتی ہے خاص طور پر اس حال میں جبکہ بچہ ماں کے بغیر زندہ نہ رہ سکتا ہو۔ ﴿وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتٍ حَمْلًا حَمْلَهَا﴾ ”یعنی شدت ہول اور سخت گھبراہٹ کے عالم میں ہر حاملہ عورت اپنا حمل گرا دے گی۔“ ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ﴾ ”یعنی اسے دیکھنے والو! تم سمجھو گے کہ لوگ شراب کے نشہ میں مدھوش ہیں حالانکہ وہ شراب نوشی کی وجہ سے مدھوش نہ ہوں گے۔“ ﴿وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ﴾ ”بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی بڑا سخت ہوگا۔“ جس کی وجہ سے عقل ماری جائے گی دل خالی ہو کر گھبراہٹ اور خوف سے لبریز ہو جائیں گے دل اچھل کر حلق میں اٹک جائیں گے اور آنکھیں خوف سے کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ اس روز کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ دے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی طرف سے بدلہ دینے والا ہوگا۔ ﴿يَوْمَ يَفْعَلُ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۖ وَأُمِّهِ

وَأَبِيهِ ۖ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۖ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾ (عبس: ۳۷-۳۸) ”اس روز بھائی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا اپنی ماں اور باپ سے اپنی بیوی اور بیٹوں سے اس روز ہر شخص ایک فکر میں مبتلا ہوگا جو اس کو دوسروں کے بارے میں بے پروا کر دے گی۔“ وہاں ﴿يَعْصُ الطَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۖ يُوَبِّئُنِي لِمَ تَتَّبِعُنِي لَمْ آتَخِذْ فَلَئِنَّا خَلِيلًا﴾ (الفرقان: ۲۵/۲۷-۲۸)

”طالم مارے پشیمانی اور حسرت کے اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور پکاراٹھے گا اے کاش میں نے رسول کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے میری کم بختی! میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔“ اس وقت کچھ چہرے سیاہ پڑ جائیں گے اور کچھ چہرے روشن ہوں گے۔ ترازوئیں نصب کر دی جائیں گی جن میں ذرہ بھر نیکی اور بدی کا بھی وزن کیا جا

سکے گا۔ اعمال نامے پھیلا دیئے جائیں گے اور ان کے اندر درج کئے ہوئے تمام اعمال، اقوال اور نیتیں، خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، سامنے ہوں گے اور جہنم کے اوپر پل صراط کو نصب کر دیا جائے گا۔ جنت اہل تقویٰ کے قریب کر دی جائے گی اور جہنم کو گمراہ لوگوں کے سامنے کر دیا جائے گا ﴿إِذَا رَأَوْهُمْ مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغِيظًا وَزَفِيرًا ۝ وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا﴾ (الفرقان: ۱۲/۱۳) ”جب وہ جہنم کو دور سے دیکھیں گے تو اس کی غضبناک آواز اور اس کی پھنکار سنیں گے اور جب ان کو جکڑ کر جہنم کی کسی تنگ جگہ میں پھینک دیا جائے گا تو وہاں اپنی موت کو پکارنے لگیں گے“ ان سے کہا جائے گا ﴿لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا﴾ (الفرقان: ۱۴/۱۵) ”آج ایک موت کو نہیں بہت سی موتوں کا پکارو۔“ اور جب وہ اپنے رب کو پکاریں گے کہ وہ ان کو وہاں سے نکال لے تو رب تعالیٰ فرمائے گا ﴿اَحْسَبُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُون﴾ (المؤمنون: ۸۱/۸۲) ”دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے پڑے رہو جہنم میں اور میرے ساتھ کلام نہ کرو“ رب رحیم کا غضب ان پر بھڑک اٹھے گا اور وہ ان کو دردناک عذاب میں ڈال دے گا وہ ہر بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے اور وہ اپنے تمام اعمال کو موجود پائیں گے اور کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی مفقود نہیں ہوگا۔

یہ تو ہوگا کفار کا حال اور متقین کو جنت کے باغات میں خوش آمدید کہا جائے گا۔ وہ انواع و اقسام کی لذتوں سے لطف اندوز ہوں گے، جہاں جی چاہے گا وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ پس عقل مند شخص جو جانتا ہے کہ یہ سب کچھ پیش آنے والا ہے تو اس کے لائق یہی ہے کہ وہ اس کے لئے تیاری کر رکھے، مہلت اسے غفلت میں مبتلا نہ کر دے کہ وہ عمل کو چھوڑ بیٹھے۔ تقویٰ الہی اس کا شعار، خوف الہی اس کا سرمایہ اور اللہ کی محبت اور اس کا ذکر اس کے اعمال کی روح ہو۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ ۝

اور کچھ لوگ وہ ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ کی بابت بغیر علم کے، اور اتباع کرتے ہیں وہ ہر شیطان سرکش کا

كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَن تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝

لکھ دیا گیا ہے اس کی بابت کہ بیشک جو کوئی دوستی کریگا اس سے تو بیشک وہ گمراہ کر دیگا اسکو، اور راہنمائی کریگا اس کی طرف عذاب جہنم کی

یعنی لوگوں میں ایک گروہ ایسا ہے جو گمراہی کے راستے پر گامزن ہے، وہ باطل دلائل کے ساتھ حق سے جھگڑتے ہیں، وہ باطل کو حق اور حق کو باطل ثابت کرنا چاہتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ جہالت کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں، ان کے پاس کچھ بھی علم نہیں۔ ان کے علم کی انتہا یہ ہے کہ وہ ائمہ ضلال اور ہر سرکش شیطان کے پیچھے چلتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ عناد رکھتا ہے، ان کے خلاف سرکشی کرتا ہے۔ وہ اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت

کر کے ائمہ ضلال میں شامل ہو جاتا ہے جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔

﴿كُتِبَ عَلَيْهِ﴾ ”لکھ دیا گیا ہے اس پر۔“ یعنی اس سرکش شیطان کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے ﴿أَنَّهُ مِّنْ تَوَلَّاهُ﴾ کہ جو اس کی پیروی کرے گا ﴿فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ﴾ وہ اسے حق سے دور اور راہ راست سے بھٹکا دے گا ﴿وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ الشَّعِيرِ﴾ اور اسے جہنم کا راستہ دکھائے گا اور یہ یقیناً ابلیس کا نائب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے بارے میں فرمایا: ﴿إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ (فاطر: ۶/۳۵) ”وہ اپنے پیروکاروں کو صرف اس لئے اپنی راہ پر بلارہا ہے تاکہ وہ بھی جہنمیوں میں شامل ہو جائیں۔“ یہی وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتا ہے خود اپنے آپ کو بھی گمراہ کرتا ہے اور لوگوں کو بھی گمراہ کرنے کے درپے ہوتا ہے اور یہی وہ شخص ہے جو ہر سرکش شیطان کا مقلد ہے..... اندھیرے ایک سے ایک بڑھ کر ہیں۔ اس گروہ میں اہل کفر اور اہل بدعت کی اکثریت شامل ہے کیونکہ ان کی اکثریت مقلدین پر مشتمل ہے جو بغیر علم کے جھگڑتی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ
اے لوگو! اگر ہو تم شک میں دوبارہ جی اٹھنے سے تو بلاشبہ ہم ہی نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے، پھر
مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ
نطفے سے پھر جے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو واضح شکل و صورت والا اور غیر واضح (اچھوری) شکل و صورت والا ہے تاکہ ہم بیان کریں
لَكُمْ وَنَقَرُ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا
تمہارے لئے اور ہم ٹھہراتے ہیں رحموں میں جس (نطفے) کو ہم چاہتے ہیں ایک وقت مقرر تک پھر نکالتے ہیں ہم تمہیں (کمل) بچہ (بنا کر)
ثُمَّ لِيَتَّبِعُوا أَسْدَكُمْ وَمِنْكُمْ مَّن يُّتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَّن يُّرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ
پھر (عمر دیتے ہیں) تاکہ تم پہنچو اپنی جوائی کو، اور بعض تم میں سے ہیں جو فوت کیے جاتے ہیں اور بعض تم میں سے ہیں جو لوٹائے جاتے ہیں طرف ناکارہ
الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً
عمر کی تاکہ نہ جانے وہ بعد جاننے کے کچھ بھی اور دیکھتے ہیں آپ زمین کو خشک (مردہ و بے آباد)
فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ ذَوْجٍ بِهَيِّجٍ ۝
پھر جب اتارتے ہیں ہم اس پر پانی (بارش) تو وہ لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے اور وہ اگاتی ہے ہر قسم کی خوش نما چیزیں ۝
ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
یہ بسبب اس کے ہے کہ بیشک اللہ ہی حق ہے، اور (یہ کہ) بلاشبہ وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو، اور یہ کہ بیشک وہی اوپر ہر چیز کے
قَدِيرٌ ۝ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝
خوب قادر ہے ۝ اور یہ کہ بلاشبہ قیامت آنیوالی ہے، نہیں کوئی شک اس میں، اور یہ کہ بیشک اللہ دوبارہ اٹھائے گا انکو جو قبروں میں ہیں ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ﴾ یعنی اگر تم کسی شک و شبہ میں مبتلا ہو اور قیامت کے وقوع کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہیں جب کہ تم پر لازم ہے کہ تم اس بارے میں اپنے رب اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرو لیکن اگر تم شک کئے بغیر نہ رہ سکو تو تمہارے سامنے یہ دو عقلی دلائل ہیں جن میں سے ہر ایک کا تم مشاہدہ کرتے ہو۔ جس بارے میں تم شک کرتے ہو اس پر قطعی دلالت کرتے ہیں اور تمہارے دلوں میں شک کو زائل کرتے ہیں:

پہلی دلیل: انسان کی تخلیق کی ابتداء سے استدلال ہے یعنی وہ ہستی جس نے ابتداء میں اس کو پیدا کیا ہے وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گی چنانچہ فرمایا: ﴿فَإِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ ”ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔“ اور یہ اس طرح کہ اس نے ابو البشر آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا ﴿ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ یعنی منی سے پیدا کیا۔ یہ انسان کی تخلیق کا اولین مرحلہ ہے ﴿ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ﴾ ”پھر گاڑھے خون سے۔“ یعنی پھر یہ نطفہ اللہ کے حکم سے سرخ خون میں بدل جاتا ہے۔ ﴿ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ﴾ ”پھر لوتھڑے سے۔“ یعنی پھر وہ گاڑھا خون لوتھڑے یعنی بوٹی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور یہ بوٹی کبھی تو ﴿مُخَلَّقَةٍ﴾ اس سے آدمی کی تصویر بن جاتی ہے۔ ﴿وَعَنِيْرٌ مُّخَلَّقَةٍ﴾ ”اور بے تصویر“ یعنی کبھی اس کی تخلیق سے قبل ہی رحم سے اس کا اسقاط ہو جاتا ہے۔ ﴿لِّنَبَيِّنَ لَكُمْ﴾ ”تاکہ ہم تمہارے سامنے تمہاری اصل تخلیق کو واضح کریں“ حالانکہ اللہ تعالیٰ ایک لمحہ میں اس کی تخلیق کی تکمیل کر سکتا ہے مگر وہ ہمارے سامنے اپنی کامل حکمت، عظیم قدرت اور بے پایاں رحمت کا اظہار کرتا ہے۔

﴿وَنُقَرِّفِي الْاَرْحَامَ مَا نَشَاءُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ یعنی اگر اسقاط نہ ہو تو اسے جب تک ہم چاہتے ہیں رحم میں باقی رکھتے ہیں یعنی مدت حمل تک ﴿ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ﴾ ”پھر ہم تمہیں تمہاری ماؤں کے رحموں سے باہر نکال لاتے ہیں ﴿طِفْلًا﴾ ”بچے کی صورت میں“ اس وقت تمہیں کسی بات کا علم ہوتا ہے نہ کسی چیز کی قدرت اور تمہاری ماؤں کو تمہارے لئے مسخر کر دیتے اور اس کی چھاتی میں سے تمہارے لئے رزق جاری کر دیتے ہیں پھر تم ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہوتے ہو حتیٰ کہ تم اپنی بلوغت کی عمر کو پہنچ جاتے ہو اور یہ مکمل قوت اور عقل کی عمر ہے۔

﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفَّى﴾ اور تم میں کچھ بلوغت کی عمر کو پہنچنے سے پہلے فوت ہو جاتے ہیں اور کچھ اس سے آگے گزر کر رذیل ترین یعنی خسیس ترین عمر کو پہنچ جاتا ہے اور یہ وہ عمر ہے جب انسان نہایت کمزور ہو جاتا ہے، قوی فاسد ہو جاتے ہیں، عقل بھی اسی طرح مضلل ہو کر زائل ہو جاتی ہے جس طرح دیگر قوی کمزور پڑ جاتے ہیں۔ ﴿يَكِيْدًا﴾ يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْنًا﴾ یعنی..... تاکہ اس معترض شخص کو ان تمام چیزوں کا کچھ بھی علم نہ ہو جن کو وہ اس سے قبل جانتا تھا اور اس کا سبب اس کا ضعف عقل ہے۔

پس انسان کی قوت دو قسم کے ضعفوں میں گھری ہوئی ہے۔

۱۔ طفولیت کا ضعف اور اس کا نقص۔

۲۔ بڑھاپے کا ضعف اور اس کا نقص۔

جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ﴾ (الروم: ۵۴/۳۰) ”اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو کمزور حالت میں پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد تمہیں قوت عطا کی پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ علم والا اور قدرت والا ہے۔“

دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً﴾ اور تو دیکھتا ہے زمین کو بخر۔ ”یعنی خشک، چٹیل اور بے آب و گیاہ ﴿فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ﴾ ”پس جب ہم اس پر بارش نازل کرتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے۔“ یعنی نباتات سے لہلہا اٹھتی ہے ﴿وَرَبَّتْ﴾ ”اور پھولتی ہے۔“ یعنی خشک ہونے کے بعد خوب سرسبز ہو کر بلند ہوتی ہے۔ ﴿وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ﴾ یعنی زمین نباتات کی ہر صنف کو اگاتی ہے ﴿بِهِنَجٍ﴾ یعنی جود کیسے والوں کو خوش کرتی ہے۔ یہ دو قطعی دلائل ہیں جو ان پانچ مقاصد پر دلالت کرتی ہیں۔

﴿ذَلِكَ﴾ یہ سب کچھ یعنی آدمی کا اس طرح پیدا کرنا جو اللہ نے بیان کیا اور زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرنا اس لیے ہے کہ ﴿يَأَنَّ اللَّهُ هُوَ الْحَقُّ﴾ ”اللہ وہی حق ہے۔“ یعنی وہی رب معبود ہے اس کے سوا کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں اسی کی عبادت حق ہے اور اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت باطل ہے ﴿وَأَنََّّهُ يُخَيِّمُ الْمَوْتَى﴾ ”اور وہ زندہ کرے گا مردوں کو۔“ جس طرح اس نے ابتداء تخلیق کی اور جس طرح اس نے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کیا ﴿وَأَنَّهٗ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ جیسا کہ اس نے اپنی بدیع قدرت اور عظیم صنعت کا تمہیں مشاہدہ کروایا۔

﴿وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا﴾ ”اور بلاشبہ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔“ پس اس کو بعید سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ﴿وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ﴾ ”اور اللہ ان کو دوبارہ اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔“ پھر تمہیں تمہارے تمام اچھے برے اعمال کی جزا دے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ۝

اور بعض لوگوں میں سے وہ ہے جو جھگڑا کرتا ہے اللہ کی بابت بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کتاب روشن کے ۝
ثَانِي عَطْفُهُ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَنَذِيقُهُ
درآئیکہ وہ موڑنے والا ہے اپنا پہلو تاکہ گمراہ کرے وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے اس کیلئے دنیا میں رسوائی ہے، اور ہم پکھلائیں گے اسے

يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ④

دن قیامت کے عذاب جلانے والا ○

یہ جھگڑا جس کا ذکر آیت نمبر 3 اور 4 میں بھی گذر چکا ہے سرکش شیطان کے مقلد کا جھگڑا ہے اور اسی کی خاطر ہے جو لوگوں کو بدعات کی طرف دعوت دیتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا: ﴿يُجَادِلُ فِي اللَّهِ﴾ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء و رسل اور ان کے متبعین کے ساتھ باطل دلائل سے جھگڑتا ہے تاکہ حق کو نیچا دکھائے ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ بغیر کسی صحیح علم کے ﴿وَلَاهُدًى﴾ وہ اپنے جھگڑے میں کسی ایسے شخص کی اتباع نہیں کرتا جو اس کی راہنمائی کرے نہ عقل کے پیچھے لگتا ہے جو اس کو راہ راست پر رکھے اور نہ کسی مقتدا کی اقتداء کرتا ہے جو خود ہدایت یافتہ ہو۔ ﴿وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ﴾ اور نہ کسی روشن اور واضح کتاب کی پیروی کرتا ہے۔ لہذا اس کے پاس کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی دلیل یہ محض شبہات ہیں جو شیطان اس کی طرف القاء کرتا ہے۔ ﴿وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لِيُؤْخِرَ إِلَىٰ أُولَئِهِمْ لِيُجَادِلُوهُمْ﴾ (الانعام ۱۶/۱۲۱) ”اور شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں القاء کرتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ جھگڑا کریں۔“ اس کے ساتھ ساتھ ﴿ثَانِيَ عِطْفِهِ﴾ وہ گردن اکڑائے منہ موڑ کر چلتا ہے یہ حق کے بارے میں اس کے تکبر اور مخلوق کے ساتھ اس کے حقارت آمیز رویے کے لئے کنایہ ہے۔ پس وہ اسی پر فرحان و شاداں ہے کہ اس کے پاس غیر نافع علم ہے اور وہ حق اور اہل حق کو حقیر گردانتا ہے۔ ﴿لِيُضِلَّ﴾ تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے، یعنی گمراہی کے داعیوں میں اس کا شمار ہو۔ اس آیت کریمہ کے تحت تمام ائمہ کفر و ضلالت آ جاتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لئے دنیاوی اور اخروی سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ﴾ یعنی وہ آخرت سے پہلے اس دنیا ہی میں رسوا ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی ہے۔ آپ داعیان کفر و ضلالت میں سے جس کو بھی دیکھیں وہ تمام لوگوں کی ناراضی، لعنت، بغض اور مذمت کا اسی طرح نشانہ ہوتا ہے جیسے وہ اس کا مستحق ہوتا ہے اور ہر شخص حسب حال جزا پاتا ہے۔ ﴿وَنَذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ﴾ یعنی ہم اسے جہنم کی سخت گرمی اور اس کی بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اور یہ سب کچھ اس کے ان کرتوتوں کی وجہ سے ہے جو اس نے آگے بھیجے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتَ يَدَكَ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَيَسِّرُ لِّلْعَبِيدِ ⑤

یہ بوجہ اس کے ہے جو آگے بھیجا تیرے دونوں ہاتھوں نے، اور یہ کہ بلاشبہ اللہ نہیں ظلم کرنے والا (اپنے) بندوں پر ○

﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی یہ دنیاوی اور اخروی عذاب جس کا ذکر کیا گیا اور اس میں بعد کا جو معنی پایا جاتا ہے (اور وہ ہے (ذلک) کے اندر موجود لام کا معنی جو بعد کی طرف اشارہ کے لئے وضع کیا گیا ہے) وہ اس امر پر دلیل ہے کہ کفار ہول اور قباحت کی انتہاء پر ہوں گے۔ ﴿بِمَا قَدَّمْتَ يَدَكَ﴾ یعنی اس سبب سے جو تیرے ہاتھوں نے

کفر اور معاصی کا اکتساب کیا ہے۔ ﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَيَبْذُلُهُم بِظُلْمٍ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَظَلِيمٌ﴾ اور حقیقت امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے پہلے گناہوں کے بغیر عذاب نہیں دے گا۔

اس کا اجمالی معنی یہ ہے کہ اس کافر کو جو ان صفات سے متصف ہے جن کا ذکر مذکورہ دو آیتوں میں گزر چکا ہے کہا جائے گا کہ یہ عذاب اور رسوائی جس کا تو سامنا کر رہا ہے تیری افتر پردازی اور تکبر کے سبب سے ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے ظلم نہیں کرتا وہ مومن اور کافر، نیک اور بد کے ساتھ مساوی سلوک نہیں کرتا وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دیتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ

پہنچے اس کو کوئی فتنہ (آزمائش) تو الٹا پھر جاتا ہے اوپر اپنے منہ کے خسارہ اٹھایا اس نے دنیا اور آخرت میں، یہی ہے وہ خسارہ الْمُبِينُ ۝ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُ وَمَا لَا نُنْفَعُهُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ

صریح ۝ وہ پکارتا ہے سوائے اللہ کے اس کو جو نہیں نقصان پہنچا سکتا اسے اور نہ وہ نفع دے سکتا ہے اسے، یہی ہے وہ گمراہی الْبَعِيدُ ۝ يَدْعُوا لَمَنْ ضُرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ ۚ لَيْسَ الْمَوْلَىٰ وَلَيْسَ الْعَشِيرُ ۝

دور کی ۝ وہ پکارتا ہے اس شخص کو کہ نقصان اس کا (یقیناً) زیادہ قریب ہے اس کے نفع سے، البتہ برا ہے وہ کار ساز اور البتہ برا ہے وہ ساتھی ۝

یعنی لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو ضعیف الایمان ہے جس کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا ایمان کی بشارت اس کے دل میں جا گزیر نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ یا تو خوف سے ایمان لایا ہے یا محض عادت کی بنا پر اور وہ بھی اس طریقے سے کہ وہ سختیاں برداشت کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ ﴿فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ﴾ یعنی اگر اسے وافر رزق مل رہا ہے اور اسے کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ ایمان پر نہیں بلکہ پہنچنے والی بھلائی پر مطمئن ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بسا اوقات اسے عافیت میں رکھتا ہے اور اسے ایسے فتنوں میں مبتلا نہیں کرتا جو اسے اس کے دین سے پھیر دیں۔

﴿وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ﴾ اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا کوئی محبوب چیز اس سے چھین جاتی ہے ﴿انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ﴾ ”پھر جاتا ہے اپنے چہرے پر۔“ یعنی اپنے دین سے پھر جاتا ہے۔ ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ﴾ ”خسارہ اٹھایا اس نے دنیا اور آخرت کا۔“ دنیا میں خسارہ یہ ہے کہ جس امید پر وہ مرتد ہوا اور جس امید کو اس نے سرمایہ قرار دے رکھا تھا وہ پوری نہ ہوئی اور وہ عوض جس کے حاصل ہونے کا اسے یقین تھا حاصل نہ ہوا۔ پس اس کی کوشش ناکام ہوئی اور اسے صرف وہی کچھ حاصل ہوا جو اس کی قسمت میں لکھا ہوا تھا۔ رہا آخرت کا خسارہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اس پر حرام کر دیا اور وہ جہنم کا مستحق ہوا۔

﴿ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾ اور یہ واضح اور کھلا خسارہ ہے۔

﴿يَدْعُوا﴾ ”پکارتا ہے۔“ یعنی یہ مرتد ﴿مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُ وَمَا لَا يَنْفَعُهُ﴾ اللہ کے سوا ایسی ہستیوں کو جو اسے کوئی نقصان دے سکتی ہیں نہ نفع۔ یہ ہر اس معبود باطل کی صفت ہے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔ معبود باطل اپنے لئے یا کسی اور کے لئے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ ﴿ذَلِكَ هُوَ الضَّلَلُ الْبَعِيدُ﴾ یہ گمراہی بعد میں انتہا کو پہنچی ہوئی ہے کیونکہ اس نے اس ہستی کی عبادت سے روگردانی کی جس کے قبضہ قدرت میں نفع و نقصان ہے جو خود بے نیاز ہے اور بے نیاز کرنے والی ہے..... اور اپنے جیسی یا اپنے سے بھی کمتر ہستی کے سامنے سر بسجود ہوا جس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں بلکہ اس کے برعکس وہ اپنے مقصد کی ضد کے حصول کے زیادہ قریب ہے اس لئے فرمایا: ﴿يَدْعُوا مَنْ صَرَفَ أَقْرَبَ مِنْ نَفْعِهِ﴾ ”وہ اسے پکارتے ہیں جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔“ اس لیے کہ اس کا نقصان عقل بدن دنیا اور آخرت میں ہے ﴿لَيْسَ الْمَوْلَى﴾ ”البتہ براہے والی۔“ یعنی یہ معبود باطل ﴿وَلَيْسَ الْعَشِيرُ﴾ یعنی بہت برا ہم نشین ہے جس کی صحبت کو اس نے لازم پکڑ رکھا ہے کیونکہ دوست اور ہم نشین سے حصول نفع اور دفع ضرر مقصود ہوتا ہے۔ اگر اس میں اسے کچھ بھی حاصل نہ ہو تو وہ قابل مذمت اور قابل ملامت ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

نہیں، بے شک اللہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے ○

الْأَنْهَارُ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۱۷﴾

نہیں، بے شک اللہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے ○

جب اللہ تعالیٰ نے باطل دلیلوں سے جھگڑنے والے کا ذکر فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ ایسے لوگ دو اقسام میں منقسم ہیں، ایک مقلدین اور دوسرے اپنی بدعات کی طرف دعوت دینے والے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بھی دو اقسام ذکر فرمائیں جو اپنے آپ کو ایمان سے منسوب کرتے ہیں۔ پہلی قسم ان لوگوں کی جن کے دلوں میں ابھی ایمان داخل نہیں ہوا جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزرا اور دوسری قسم ان لوگوں کی جو حقیقی مومن ہیں جنہوں نے اعمال صالحہ کے ذریعے سے اپنے ایمان کی تصدیق کی۔ پس ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔

جنت کو ”جنت“ اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ یہ خوبصورت منازل، محلوں، درختوں اور نباتات پر مشتمل ہے یہ درخت اور نباتات اپنی کثرت کے باعث ان لوگوں کو ڈھانپ لیں گے اور ان پر سایہ کناں ہوں گے جو اس میں داخل ہوں گے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ﴾ پس اللہ تعالیٰ جو بھی ارادہ کرتا ہے اسے بغیر کسی مانع اور معارض کے

کر گزرتا ہے۔ اس کا ایک ارادہ یہ ہے کہ وہ اہل جنت کو جنت میں داخل کرے گا..... اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور احسان سے ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل کرے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ
جو شخص گمان کرتا ہے یہ کہ ہرگز نہیں مدد کرے گا اللہ اس (رسول) کی دنیا اور آخرت میں تو چاہیے کہ وہ دراز کرے ایک رسی
إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدَهُ مَا يَغِيظُ ⑮

آسمان تک پھر چاہیے کہ کاٹ دے (اسے) پھر چاہیے کہ وہ دیکھے کیا لے جاتی ہے تدبیر اس کی، اس کے غمے کو؟ ○

یعنی جو کوئی یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول (ﷺ) کی مدد نہیں کرے گا اور اس کا دین عنقریب ختم ہو جائے گا تو بلاشبہ مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ ﴿فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ﴾ ”پس وہ آسمان کی طرف رسی دراز کرے پھر کاٹ دے۔“ رسول اللہ ﷺ سے اس مدد کو منقطع کر دکھائے۔ ﴿فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدَهُ﴾ یعنی وہ کیا چیز ہے جس کے ذریعے سے وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف چال چل سکتا ہے آپ ﷺ کے خلاف جنگ برپا کر سکتا ہے جس کے ذریعے سے وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے ابطال کی خواہش رکھتا ہے وہ کیا چیز ہے جو دین کے ظہور پر اسے غیظ و غضب میں مبتلا کرتی ہے..... یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے یعنی وہ ان اسباب کے ذریعے سے اپنے غیظ و غضب کو ٹھنڈا نہیں کر سکتا۔

اس آیت مقدسہ کا معنی یہ ہے اے وہ شخص! جو محمد رسول اللہ ﷺ سے عداوت رکھتا ہے جو آپ ﷺ کے دین کو مٹانے میں کوشاں ہے جو اپنی جہالت کی بنا پر سمجھتا ہے کہ اس کی کوشش رنگ لائے گی تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تو جو بھی اسباب اختیار کر لے رسول (ﷺ) کے خلاف کوئی بھی چال چل لے اس سے تیرے غیظ و غضب اور تیرے دل کی بیماری کو شفا حاصل نہیں ہوگی۔ اس پر تجھے کوئی قدرت حاصل نہیں البتہ ہم تجھے ایک مشورہ دیتے ہیں جس سے تو اپنے دل کی آگ کو ٹھنڈا کر سکتا ہے اور اگر یہ ممکن ہے کہ تو رسول (ﷺ) سے اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کو منقطع کر سکتا ہے تو معاملے میں صحیح راستے سے داخل ہو اور درست اسباب اختیار کر اور وہ یہ کہ کھجور وغیرہ کی چھال سے بنی ہوئی رسی لے پھر اسے آسمان پر لٹکا کر آسمان پر چڑھ جا اور ان دروازوں تک پہنچ جا جہاں سے اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہوتی ہے اور ان دروازوں کو بند کر کے اللہ تعالیٰ کی مدد منقطع کر دے۔ اس طریقے سے تیرے غیظ و غضب کو شفا حاصل ہوگی..... پس یہ تجویز اور چال ہے اس طریقے کے علاوہ تیرے دل میں بھی یہ بات نہیں آنی چاہیے کہ تو اپنے غیظ و غضب سے چھٹکارا پا سکتا ہے خواہ مخلوق تیری مدد کے لئے کمر کیوں نہ باندھ لے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے دین اپنے رسول اور اپنے مومن بندوں کے لئے فتح و نصرت کا جو وعدہ اور خوشخبری ہے وہ مخفی نہیں اور کفار کے لئے مایوسی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا

چاہتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا خواہ کفار کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے اور خواہ وہ اس نور کو بجھانے کی امکان بھر کوشش کیوں نہ کر لیں۔

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُرِيدُ ۝۱۶

اور اسی طرح نازل کیا ہم نے اس (قرآن) کو آیات واضحہ (کی صورت میں) اور بیشک اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ۝
یعنی اسی طرح جب ہم نے اس قرآن عظیم میں تفصیل بیان کی تو ہم نے اس کو آیات بینات بنایا جو تمام مطالب اور مسائل نافعہ پر دلالت کرتی ہیں، لیکن ہدایت تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ اس قرآن کے ذریعے سے ہدایت پالیتا ہے، وہ قرآن کو اپنا راہنما اور مقتدا بنا لیتا ہے اور قرآن کے نور سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اور جس کی ہدایت اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا اس کے پاس خواہ ہر قسم کی نشانی کیوں نہ آجائے وہ کبھی ایمان نہیں لاتا، قرآن اسے کوئی فائدہ نہیں دیتا بلکہ قرآن اس کے خلاف حجت بنے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝۱۷
اللہ کے ساتھ شرک کیا بے شک اللہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان دن قیامت کے بلاشبہ اللہ اوپر ہر چیز کے گواہ ہے ۝
أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ ۖ
اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے لوگوں میں سے (بھی) اور بہت سے ایسے ہیں کہ
حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۖ وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ
ثابت ہو گیا ہے ان پر عذاب اور جس کو ذلیل کرے اللہ تو نہیں ہے اسے کوئی عزت دینے والا بے شک اللہ کرتا ہے
مَا يَشَاءُ ۖ ۝۱۸ هٰذِهِ خَصْمَتٌ اِخْتَصِمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۚ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِعَتْ
جو وہ چاہتا ہے ۝ یہ دو گروہ جھگڑنے والے ہیں، جھگڑا کیا انہوں نے اپنے رب کی بابت، پس وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کائے جائیگے
لَهُمْ شِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُّصْبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ۖ ۝۱۹ يُصْهَرُ بِهِ مَا
ان کیلئے کپڑے آگ کے، انڈیا جایگا اوپر سے انکے سروں کے کھولتا ہوا پانی ۝ پگھلا دیا جائے گا اس کے سبب سے جو کچھ
فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۖ ۝۲۰ وَلَهُمْ مَّقَامِعٌ مِّنْ حَدِيدٍ ۖ ۝۲۱ كَلْبًا اَرَادُوْا اَنْ
انکے پیٹوں میں ہوگا اور کھالیں ۝ اور ان (کو مارنے) کیلئے ہتھوڑے ہو گئے لوہے کے ۝ جب بھی وہ ارادہ کریں گے یہ کہ

۴۲

يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا ۖ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٢٦﴾ إِنَّ اللَّهَ
 يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
 وَيُخَلِّقُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا طَوِيلًا سُبْحًا فِيهَا فَسْحٌ
 وَهَدُوءٌ إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۖ وَهَدُوءًا إِلَى صِرَاطٍ الْحَيْدِ ﴿٢٧﴾

اور وہ ہدایت دیئے گئے تھے (دنیا میں) پاکیزہ بات (توحید) کی طرف اور وہ ہدایت دیئے گئے تھے ایسے راستے کی طرف (جو) قابل تعریف ہے ○
 اللہ تبارک و تعالیٰ روئے زمین پر بسنے والے مذاہب کے پیروکاروں کے تمام گروہوں یعنی وہ لوگ جن کو
 کتاب عطا کی گئی ہے مثلاً اہل ایمان، یہود، نصاریٰ، صابئین، مجوس اور مشرکین کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ
 اللہ تعالیٰ ان سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا اور ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور ان کو ان کے
 اعمال کی جزا دے گا جن کو اس نے حفاظت کے ساتھ ان کے اعمال ناموں میں درج کر رکھا ہے اور ان پر گواہ ہے
 اس لئے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ ”بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے
 ان کے مابین مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿هَٰذِهِ خَصْمَتَيْنِ اِخْتَصِمَا فِي رَبِّهِمْ﴾ ”یہ دو فریق ہیں
 جو اپنے رب کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔“ ان میں سے ہر فریق دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ ﴿فَالَّذِينَ
 كَفَرُوا﴾ یہ جملہ تمام کفار یعنی یہود، نصاریٰ، مجوس، صابئین اور مشرکین کو شامل ہے۔ ﴿قُطِّعَتْ لَهُمْ شِيَابٌ مِّنْ
 نَّارٍ﴾ یعنی ان کے کپڑے گندھک کے ہوں گے جن میں آگ شعلہ زن ہوگی تاکہ عذاب ان کو ہر جانب سے
 پوری طرح گھیر لے۔

﴿يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ﴾ یعنی ان کے سروں پر سخت کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا جس کی
 شدت حرارت سے ان کے پیٹ کے اندر گوشت چربی، انتڑیاں گل جائیں گی۔ ﴿وَلَهُمْ مَّقَامِعٌ مِّنْ حَدِيدٍ﴾
 ”اور ان کے لیے ہتھوڑے ہوں گے لوہے کے۔“ جو سخت اور درشت خوف رشتوں کے ہاتھوں میں ہوں گے جن
 کے ساتھ وہ ان کو ماریں گے اور سزا دیں گے۔

فرمایا: ﴿كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا﴾ ”جب بھی وہ اس جہنم سے نکلنے کا ارادہ
 کریں گے غم کی وجہ سے تو وہ اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے۔“ پس کسی وقت بھی عذاب ان سے منقطع ہو گا نہ ان کو
 مہلت دی جائی گی بلکہ زجر و توبیخ کرتے ہوئے ان سے کہا جائے گا: ﴿وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ﴾ یعنی دلوں اور

بدنوں کو جلانے والا عذاب چکھو۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ ”اللہ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیے ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔“ اور یہ چیز معلوم ہے کہ یہ وصف مسلمان کے علاوہ کسی اور پر صادق نہیں آتا جو تمام کتابوں اور تمام رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ ﴿يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ﴾ یعنی تمام اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو سونے کے نگین پہنائے جائیں گے ﴿وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ﴾ ”اور ان کا لباس اس میں ریشم کا ہوگا۔“ پس اس کے ساتھ ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور لذیذ ماکولات کی تکمیل ہو جائے گی جن پر جنت مشتمل ہے نیز یہ بہتی ہوئی نہروں کے ذکر کو بھی شامل ہے، یعنی پانی کی نہریں، دودھ کی نہریں، شہد کی نہریں اور شراب کی نہریں، انواع و اقسام کے لباس اور قیمتی زیورات۔

یہ سب کچھ اس سبب سے عطا ہوگا کہ ﴿وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ ”ان کی رہنمائی پاکیزہ بات کی طرف کی گئی۔“ جس میں سب سے افضل اور سب سے اچھا قول کلمہء اخلاص ہے پھر دیگر تمام اقوال طیبہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے یا اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اچھے طریقے سے کرنا ہے۔ ﴿وَهُدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ﴾ ”اور ان کی رہنمائی کی گئی صراطِ حمید کی طرف۔“ یعنی قابل ستائش طریقے کی طرف۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت الہی تمام تر حکمت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، مامورات کے حسن اور منہیات کی قباحات پر مشتمل ہے اور یہ ایک ایسا دین ہے جس میں کوئی افراط اور تفريط نہیں جو علم نافع اور عمل صالح پر مبنی ہے۔

یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف رہنمائی کی گئی وہ اللہ جو قابل تعریف ہے۔ اس لیے کہ اکثر راستے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ وہ چلنے والے کو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے (الحمد) کا ذکر فرمایا کیونکہ اہل ایمان یعنی اس راستے پر گامزن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کے احسان ہی کی بنا پر ہدایت حاصل کی۔ بنا بریں وہ جنت میں کہیں گے: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَنَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنَّ هَدَنَا اللَّهُ﴾ (الاعراف: ۴۳/۷) ”ہر قسم کی ستائش اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں جنت کی راہ دکھائی، ہم خود کبھی یہ راہ نہ پاسکتے اگر اللہ ہمیں یہ راہ نہ دکھاتا۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان آیات کریمہ کے درمیان جملہ معترضہ کے طور پر اپنے لئے مخلوقات کے سجدے کا ذکر فرمایا ہے، یعنی آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات، سورج، چاند، ستاروں، پہاڑ، زمین پر چلنے والے تمام جاندار یعنی تمام حیوانات اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد یعنی اہل ایمان کے سجدے کا ذکر فرمایا ہے۔

﴿وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ﴾ ”بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن کے کفر اور عدم ایمان کی وجہ سے ان پر

عذاب واجب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی توفیق نہ بخشی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوا کیا ﴿وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ رسوا کرے تو کوئی اس کو عزت دینے والا نہیں۔ اور کوئی اس کو اس کے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتا اور نہ کوئی ہستی اس کی مشیت کی مخالفت کر سکتی ہے۔ پس جب تمام مخلوق اپنے رب کے حضور سر بسجود اس کی عظمت کے سامنے سراغندہ اس کے غلبہ کے سامنے عاجز و فروتن اور اس کے تسلط کے سامنے لاچار ہے۔ تو یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ وہی اکیلا رب معبود اور بادشاہ محمود ہے اور جو کوئی اس سے روگردانی کر کے کسی اور کی عبادت کرتا ہے تو وہ بہت دور کی گمراہی اور واضح خسارے میں جا پڑا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِطُ وَمَنْ يُّرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُزِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ٥

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور وہ روکتے ہیں اللہ کی راہ سے، اور مسجد حرام سے وہ جو جاعلنہ للناس سواء العاکف فیہ والبادط ومن یرد فیہ بإلحاد بظلم نذقہ من عذاب اَلیم ۵

بنایا ہے ہم نے اسے (سب) لوگوں کیلئے برابر ہے مقیم اس میں اور باہر سے آنے والا اور جو شخص ارادہ کرے اس میں کج روی کا ظلم سے ہم چکھائیں گے اسے عذاب نہایت دردناک ○

اللہ تبارک و تعالیٰ مشرکین کی برائی کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ انہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا انکار کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا، لوگوں کو ایمان لانے سے منع کیا اور لوگوں کو مسجد حرام سے روکا، جو ان کی ملکیت ہے نہ ان کے باپ دادا کی۔ بلکہ مسجد حرام مقیم اور دور سے زیارت کے لئے آنے والوں کے لئے برابر ہے۔ بلکہ انہوں نے مخلوق میں افضل ترین ہستی محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام کو بھی مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا حالانکہ مسجد حرام کا احترام حرمت اور عظمت یہ ہے کہ جو کوئی اس مسجد میں الحاد اور ظلم کا ارادہ کرتا ہے، ہم اسے دردناک عذاب کا مزا چکھاتے ہیں۔ پس حرم میں مجرّد ظلم اور الحاد کا ارادہ ہی عذاب کا موجب ہے، حالانکہ دیگر گناہوں میں بندے کو صرف اس وقت سزا ملتی ہے جب وہ اپنے ارادہ گناہ پر عمل کرتا ہے۔ تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جو مسجد میں سب سے بڑے گناہ یعنی کفر اور شرک کا ارتکاب کرتا ہے، لوگوں کو اللہ کے راستے سے اور زیارت کا ارادہ رکھنے والوں کو مسجد حرام سے روکتا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟

اس آیت کریمہ میں حرم کے احترام اور اس کی شدت تعظیم کے وجوب کا اور اس کے اندر ارادہ معصیت اور اس کے ارتکاب سے بچنے کی تاکید کا اثبات ہے۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ

اور جب مقرر کر دی ہم نے واسطے ابراہیم کے جگہ بیت اللہ کی (اور اسے حکم دیا) یہ کہ نہ شریک ٹھہرانا تو میرے ساتھ کسی چیز کو بھی اور پاک کر تو میرا گھر

لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِلِينَ وَالزُّكَّعِ السُّجُودِ ۲۱) وَادْنُ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ

طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدے کرنے والوں کیلئے ۲۱) اور تو اعلان کر دے لوگوں میں حج کا، وہ آئینگے تیرے پاس

رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۲۲) لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ

پیدل اور (سوار ہو کر) اوپر ہر ذبلے (پتلے) اونٹ کے وہ (اونٹ) آئینگے ہر دور دراز راستے سے ۲۲) تاکہ وہ حاضر ہوں منافع کیلئے

لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَةٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمُ

واسطے اپنے، اور (تاکہ) یاد کریں وہ (بوقت ذبح) نام اللہ کا ان ایام میں جو معلوم ہیں اوپر ان کے جو دیئے ہیں انکو (اللہ نے)

مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَاكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۲۳) ثُمَّ لِيَقْضُوا

چوپائے مویشیوں میں سے پس کھاؤ تم ان میں سے اور کھاؤ فاقہ کش فقیر کو ۲۳) پھر چاہیے کہ وہ دور کریں

نَفْسَهُمْ وَلِيُوَفُّوا نُدُورَهُمْ وَلِيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۲۴)

میل کچل اپنا اور چاہیے کہ پوری کریں اپنی ندریں (منتیں) اور چاہیے کہ وہ طواف کریں قدیم گھر کا

اللہ تبارک و تعالیٰ مسجد حرام کی عظمت و جلال اور اس کے بانی، رحمان کے خلیل، ابراہیم علیہ السلام کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ﴾ اور جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیم علیہ السلام کے لیے بیت اللہ کی جگہ۔ یعنی ہم نے ان کیلئے اسے مہیا کر دیا آپ کو وہاں رہنے کے لیے بھیج دیا اور آپ کی اولاد کے ایک حصے کو وہاں آباد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا پس آپ نے بیت اللہ کو تقویٰ اور اطاعت الہی کی اساس پر تعمیر کیا۔ بیت اللہ کو آپ اور آپ کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام نے مل کر تعمیر کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، نیز یہ کہ اپنے اعمال کو اللہ کے لئے خالص کریں اور اس مقدس گھر کی اللہ تعالیٰ کے نام پر بنیاد رکھیں۔

﴿وَطَهِّرْ بَيْتِيَ﴾ یعنی میرے گھر کو شرک، معاصی، نجاست اور گندگی سے پاک کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو شرف اور فضیلت بخشے، بندوں کے دلوں میں اس کی عظمت کو اجاگر کرنے اور ہر جانب سے دلوں کو اس کی طرف مائل کرنے کے لئے اپنی طرف مضاف کیا ہے تاکہ یہ طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، ذکر، قراءت قرآن، تعلیم و تعلم اور دیگر عبادت کے لئے ٹھہرنے والوں کے لئے رب تعالیٰ کا گھر ہونے کے ناطے سے اپنی تطہیر اور تعظیم کے لئے عظیم ترین گھر ہو۔

﴿وَالزُّكَّعِ السُّجُودِ﴾ اور رکوع سجود کرنے والوں کے لیے۔ یعنی نماز پڑھنے والوں کے لئے، یعنی اس گھر

کو ان اصحاب فضیلت کے لئے پاک کیجئے جن کا ارادہ یہ ہے کہ وہ اس گھر کے پاس اپنے آقا کی اطاعت اور اس کی خدمت کریں، نیز اس کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ یہی لوگ حقدار ہیں اور انہیں کے لئے اکرام ہے۔ ان کا اکرام یہ ہے کہ ان کی خاطر اس گھر کی تطہیر کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی تطہیر میں لغو آوازوں اور شور و شغب سے اس کا پاک صاف ہونا بھی شامل ہے جو نماز اور طواف میں مصروف لوگوں کو تشویش میں ڈالتی ہیں۔ طواف کو اعتکاف اور نماز پر اس لئے مقدم رکھا ہے کیونکہ طواف صرف اسی گھر کے ساتھ مختص ہے اور پھر اعتکاف کا ذکر کیا کیونکہ وہ تمام مساجد سے مختص ہے۔

﴿وَ اٰذُنُ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾ یعنی حج کے بارے میں ان کو آگاہ کیجئے اور ان کو حج کی دعوت دیجئے، نیز قریب اور دور کے رہنے والے تمام لوگوں کو حج کی فرضیت اور اس کی فضیلت کی تبلیغ کیجئے کیونکہ جب آپ ان کو حج کی دعوت دیں گے تو حج کے ارادے سے آپ کے پاس آئیں گے اور اس گھر کو آباد کرنے کے شوق میں پیدل چل کر آئیں گے ﴿وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ﴾ لاغر اونٹنیوں پر مسلسل سفر کرتے ہوئے صحراؤں اور بیابانوں کو چیرتے ہوئے سب سے زیادہ شرف کے حامل اس مقام پر پہنچیں گے ﴿مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ﴾ ”دور دراز کی تمام راہوں سے۔“ یعنی لوگ تمام دور دراز کے شہروں سے پہنچیں گے۔

حضرت خلیل علیہ السلام نے لوگوں میں حج کا اعلان فرمایا۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کی۔ دونوں مقدس ہستیوں نے لوگوں کو اس گھر کے حج کی دعوت دی، ان دونوں نے ابتداء کی اور اس کا اعادہ کیا اور وہ مقصد حاصل ہو گیا جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا..... اور لوگ مشرق و مغرب سے پیدل اور سوار ہو کر بیت اللہ کی زیارت کے لئے پہنچے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ترغیب کی خاطر ان فوائد کا ذکر فرمایا جو بیت اللہ کی زیارت سے حاصل ہوتے ہیں، چنانچہ فرمایا: ﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ تاکہ بیت اللہ میں دینی منافع، یعنی فضیلت والی عبادات اور ان عبادات کا ثواب حاصل کریں جو اس گھر کے سوا کہیں اور نہیں کی جاسکتیں اور دنیاوی منفعتیں، یعنی اکتساب مال اور دنیاوی فوائد حاصل کریں۔ یہ مشاہدہ میں آنے والا ایسا امر ہے جسے ہر شخص جانتا ہے۔

﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ ”اور اللہ کا نام یاد کریں پالتو چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو دیے۔“ اور یہ چیز دینی اور دنیاوی منافع میں شمار ہوتی ہے، یعنی قربانیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے، کہ اس نے یہ قربانیاں عطا فرمائیں اور ان کے لئے یہ قربانیاں میسر کیں..... ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لیں اور جب تم ان کو ذبح کر چکو ﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَاَطْعَمُوا﴾ ”الْبَاسِ الْفَقِيْرُ“ ”تو خود بھی اس میں سے کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی کھلاؤ۔“ یعنی اسے بھی کھلاؤ جو سخت محتاج ہو۔

﴿ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ﴾ ”پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں۔“ یعنی اپنے مناسک پورے کریں اور پھر اپنے جسم سے وہ میل کچیل دور کریں جو حالت احرام میں ان کو لاحق ہو گیا تھا ﴿وَلْيَوْفُوا نَذْرَهُمْ﴾ اور اپنی نذروں کو پورا کریں جو انہوں نے اپنے آپ پر واجب کی تھیں یعنی حج، عمرہ اور ہدی وغیرہ ﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے قدیم گھر کا طواف کریں جو علی الاطلاق تمام مساجد میں سب سے افضل ہے اور ہر جابر و سرکش کے تسلط سے آزاد ہے۔

یہ طواف کا حکم ہے، تمام مناسک کا عمومی حکم دینے کے بعد اس کے فضل و شرف کی بنا پر یہ خصوصی حکم ہے کیونکہ یہ بالذات مقصود ہے اور اس سے قبل تمام امور اس مقصد کے حصول کے وسائل اور ذرائع ہیں۔ اور شاید..... واللہ اعلم..... اس میں ایک اور فائدہ بھی ہے اور وہ ہے کہ طواف ہر وقت اور ہر آن مشروع ہے خواہ یہ طواف مناسک حج کے تابع ہو یا بنفسہ مستقل حیثیت کا حامل ہو۔

ذٰلِكَ ۖ وَمَنْ يُعْظَمْ حُرْمَتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لّٰهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَاُحِلَّتْ لَكُمْ
(حکم) یہی ہے اور جو شخص تعظیم کرے اللہ کی حرمتوں کی تو وہ بہتر ہے اس کیلئے نزدیک اس کے رب کے، اور حلال کئے گئے ہیں تمہارے لئے
الْاَنْعَامِ ۖ اِلَّا مَا يَتْلُو عَلَيْكُمْ فَاَجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ
الزُّوْرِ ۖ ۝ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهِ ۖ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَانَ نَجَسًا ۚ خَرَّ
جھوٹی سے ۝ یکسو ہو کر اللہ ہی کیلئے اس حال میں کہ نہ ہو شریک ٹھہرانے والے اس کے ساتھ اور جو کوئی شرک کرے اللہ کیساتھ تو گویا وہ گرا
مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهٖ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ ۝
آسمان سے اور اچک لے جائیں اسے پرندے یا (لے جا کر) گرا دے اسے ہوا کسی دور کے مکان میں ۝
﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی وہ احکام جن کا ہم تمہارے سامنے ذکر کر چکے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی حرمت کی تعظیم، توقیر اور تکریم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کی تعظیم ایسے امور میں شمار ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب اور اس کے تقرب کا ذریعہ ہیں۔ جس نے ان کی تعظیم و توقیر کی اللہ تعالیٰ اسے بے پایاں ثواب عطا کرے گا یہ حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کے دین، دنیا اور آخرت میں اس کے لئے بہتر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حرمت سے مراد وہ امور ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں محترم ہیں اور جن کے احترام کا اس نے حکم دیا ہے، یعنی عبادات وغیرہ مثلاً تمام مناسک حج، حرم اور احرام، بیت اللہ کو بھیجے گئے قربانی کے جانور اور وہ تمام عبادات جن کو قائم کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے۔ پس ان کی تعظیم یہ ہے کہ دل سے ان کی توقیر اور ان کے ساتھ محبت کی جائے اور کسی تحقیر، سستی اور بے دلی کے بغیر ان میں عبودیت کی تکمیل کی جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان اور اپنی نوازشات کا ذکر فرمایا کہ اس نے اپنے بندوں کے لئے چوپایوں میں سے مویشی حلال کر دیئے، مثلاً اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری وغیرہ اور ان کو ان جملہ مناسک میں مشروع کیا جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔ پس ان دونوں پہلوؤں سے ان میں اللہ تعالیٰ کی عنایت بہت عظیم ہو گئی ہے۔ ﴿اِلَّا مَا يُنْتَلٰی عَلَیْکُمْ﴾ ”سوائے ان جانوروں کے جن کی تلاوت تم پر کی جاتی ہے۔“ یعنی جن کی تحریم قرآن مجید میں بایں الفاظ ہے۔ ﴿حُزِمَتْ عَلَیْکُمُ النَّبِیَّةُ وَالْذَّمُّ وَلَحْمُ الْخَنَازِیْرِ وَمَا اٰهَلٌ لِّغَیْرِ اللّٰهِ بِہِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْوُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَا اَکَلَ السَّبْعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ وَمَا ذُبَحَ عَلَی النَّصَبِ﴾ (المائدہ: ۳/۵) ”حرام کر دیا گیا تم پر مردار خون، خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے وہ جانور جو گلا گھٹ کر مر جائے، جو چوٹ لگ کر مر جائے، جو سینگ لگ کر مر جائے اور جس کو درندے پھاڑ کھائیں سوائے اس کے جس کو تم مرنے سے پہلے ذبح کر لو اور وہ جانور جن کو استھانوں پر ذبح کیا جائے۔“

یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے کہ اس نے ان چیزوں کو ان کے تزکیہ کے لیے اور شرک اور جھوٹی بات سے تطہیر کی خاطر حرام قرار دیا ہے۔ بناء بریں فرمایا: ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ﴾ یعنی خبث اور گندگی سے اجتناب کرو۔ ﴿مِنَ الْاَوْثَانِ﴾ ”یعنی بتوں سے“، یعنی ہمسروں سے، جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبود بنا رکھا ہے، یہ معبودان باطل سب سے بڑی گندگی ہیں۔ ظاہر ہے یہاں حرف جار (مِنْ) بیان جنس کے لئے نہیں ہے، جیسا کہ اکثر مفسرین کی رائے ہے بلکہ یہ تبعیض کے لئے ہے اور (دجس) تمام منہیات محرمات کے لئے عام ہے تب یہ نہی عام ہے اور بتوں کی گندگی سے اجتناب کا حکم خاص ہے، جو حرام شدہ منہیات ہی کا حصہ ہے ﴿وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ یعنی تمام حرام شدہ اقوال سے اجتناب کرو کیونکہ یہ سب جھوٹی کلام میں شمار ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ ﴿حَنَفَاءَ لِلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے لئے یکسو ہیں یعنی ہر ماسوا سے منہ پھیر کر صرف اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت پر اپنی توجہ کو مرکوز رکھیں۔ ﴿وَمَنْ یُّشْرَکْ بِاللّٰهِ﴾ ”اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے۔“ اس کی مثال ایسے ہے۔ ﴿فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ﴾ جیسے کہ وہ آسمان سے گر پڑا ہو۔ ﴿فَتَخَطَفَهُ الطَّیْرُ﴾ ”پس پرندوں نے اسے اچک لیا ہو“ نہایت سرعت سے ﴿اَوْ تَهْوٰی بِہِ الرِّیْحُ فِی مَکَانَ سَجِیْقٍ﴾ ”یا ہوا اسے کہیں دور لے جا کر پھینک دے۔“ یہی حال مشرکین کا ہے۔ پس ایمان آسمان کی مانند محفوظ اور بلند ہے اور جس نے ایمان کو ترک کر دیا وہ اس چیز کی مانند ہے جو آسمان سے گرے اور آفات و بلیات کا شکار ہو جائے تو اسے پرندے اچک لیتے ہیں اور اس کے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ مشرک کا یہی حال ہے جب وہ ایمان کو ترک کر دیتا ہے تو شیاطین ہر جانب سے اسے اچک لیتے ہیں اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے ہیں اور اس کا دین اور دنیا تباہ کر دیتے ہیں..... یا اسے سخت تیز ہوالے اڑتی ہے اور اسے فضا کے مختلف طبقات میں لئے پھرتی ہے اور

اس کے اعضاء کے جیتھرے بنا کر کہیں دور جا بیٹھتی ہے۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوٰی الْقُلُوْبِ ۝ لَكُمْ فِيْهَا

(بات) یہی ہے، اور جو شخص تعظیم کرے اللہ کی (عظمت کی) نشانیوں کی تو بلاشبہ یہ ہے دلوں کی پرہیزگاری سے ۝ تمہارے لیے ان (چوپایوں) میں

مَنَافِعُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝

منافع ہیں ایک وقت مقرر تک پھر ان کے حلال (ذبح) ہونے کی جگہ ہے نزدیک قدیم گھر (بیت اللہ) کے ۝

یعنی اللہ تعالیٰ کی وہ حرمت اور اس کے شعائر کی تعظیم جس کا ہم نے تمہارے سامنے ذکر کیا ہے اور شعائر سے مراد دین کی ظاہری علامات ہیں۔ انہی شعائر میں تمام مناسک حج شامل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾ (البقرہ: ۱۵۸/۲) ”صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔“ بیت اللہ کو بھیجے گئے قربانی کے جانور بھی اللہ تعالیٰ کے شعائر ہیں اور گزشتہ سطور میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان شعائر کی تعظیم سے مراد ان کی توقیر ان کو قائم کرنا اور بندے کی استطاعت اور قدرت کے مطابق ان کی تکمیل کرنا ہے۔ ہدی یعنی بیت اللہ کو بھیجے گئے قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں۔ پس ان کی تعظیم سے مراد ان کی توقیر کرنا ان کو اچھا جاننا اور ان کو موٹا کرنا ہے نیز یہ کہ قربانی کے یہ جانور ہر لحاظ سے کامل ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم دلوں کے تقویٰ سے صادر ہوتی ہے۔ پس شعائر کی تعظیم کرنے والا اپنے تقویٰ اور صحت ایمان کی دلیل پیش کرتا ہے اس لیے کہ شعائر کی تعظیم دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم و توقیر کے تابع ہے۔

﴿لَكُمْ فِيْهَا﴾ ”تمہارے لیے ان میں۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کے گھر کو بھیجی گئی قربانیوں میں ﴿مَنَافِعُ اِلٰى اَجَلٍ

مُسَمًّى﴾ ”ایک مقررہ مدت تک فائدے ہیں۔“ بیت اللہ کو بھیجے گئے قربانی کے اونٹوں وغیرہ میں ایک مدت کے لئے چند فوائد ہیں جن سے ان کے مالک استفادہ کر سکتے ہیں مثلاً ان پر سوار ہونا اور ان کے دودھ دہنا وغیرہ اور ایسے ہی بعض دیگر کام جن سے ان قربانیوں کو ضرر نہ پہنچے۔ ﴿اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ یعنی ان کے ذبح ہونے کے وقت تک فوائد ہیں۔ جب وہ مقام مقصود پر پہنچ جائیں اور وہ (البیت العتیق) ”بیت اللہ“ ہے یعنی سارا حرم منی وغیرہ۔ پس جب ان کو ذبح کر دیا جائے تو ان کا گوشت خود بھی کھاؤ، ہدیہ بھیجو اور محتاجوں کو کھلاؤ۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَہِیْمَةٍ

اور واسطے ہر امت کے مقرر کی ہے ہم نے قربانی تاکہ یاد کریں وہ (بوقت ذبح) نام اللہ کا اور پرانکے جو دیئے انہیں (اللہ نے) چوپائے

الْاَنْعَامِ فَالْهَکُمُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ۝

موسیوں میں سے پس تمہارا معبود معبود ایک ہی ہے، سو اس کیلئے تم مطیع ہو جاؤ، اور خوشخبری سنا دیجئے عاجزی کرنے والوں کو ۝

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَى مَا أَصَابَهُمْ

وہ لوگ کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ کا تو ڈر جاتے ہیں انکے دل اور وہ جو صبر کر نیوالے ہیں اور اس (تکلیف) کے جو پہنچتی ہے انہیں

وَالْمُقِيْبِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۲۵﴾

اور وہ جو قائم کرنے والے ہیں نماز، اور اس میں سے جو رزق دیا ہم نے ان کو وہ خرچ کرتے ہیں ○

ہم نے گزشتہ تمام قوموں کے لئے قربانی کو شروع کیا ہے۔ پس تم تیزی کے ساتھ نیکیوں کی طرف بڑھو تاکہ ہم دیکھیں کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔ ہر قوم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قربانی کے طریقے کو مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر قائم اور اس کے شکر کی طرف التفات ہو اس لئے فرمایا: ﴿لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَإِنَّهُمْ وَاللَّهُ وَأَجِدُ﴾ اگرچہ تمام شریعتیں مختلف ہیں مگر ایک اصول پر سب متفق ہیں اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اللہ تعالیٰ اکیلے کا عبودیت کا مستحق ہونا اور اس کے ساتھ شرک کا ترک کر دینا اس لئے فرمایا: ﴿فَلَعَلَّ آسِئُوا﴾ یعنی اسی کی اطاعت کرو اسی کے سامنے سر تسلیم خم کرو اس کے سوا کسی کی اطاعت نہ کرو کیونکہ اس کی اطاعت ہی سلامتی کے گھر تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ ﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾ یعنی عاجزی کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی بھلائی کی خوشخبری دو (الصَّابِرِينَ) سے مراد اپنے رب کے سامنے عاجزی اور فروتنی کرنے والا اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والا اور اس کے بندوں کے ساتھ نہایت تواضع سے پیش آنے والا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے عاجزی کرنے والوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ وہ لوگ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے خوف سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور صرف اس کے خوف ہی کی بنا پر محرمات کو ترک کر دیتے ہیں ﴿وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ﴾ ان پر جو مصیبتیں اور سختیاں آتی ہیں اور انہیں جن مختلف اقسام کی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان پر صبر کرتے ہیں ان میں سے کسی چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ناراضی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ اپنے رب کی رضا کے حصول کی خاطر صبر کرتے ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہیں۔

﴿وَالْمُقِيْبِي الصَّلَاةِ﴾ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو کامل اور درست طریقے سے قائم کرتے ہیں یعنی وہ اس کی ظاہری اور باطنی عبودیت اور اس کے تمام فرائض و مستحبات کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ ﴿وَمِمَّا رَزَقْنَهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ یہ تمام نفقات واجبہ مثلاً زکوٰۃ کفارات بیویوں غلاموں اور اقارب پر خرچ کرنا اور تمام نفقات مستحبہ جیسے تمام قسم کے صدقات ہیں کو شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حرف جار (مِنْ) کا استعمال کیا ہے جو تبعیض کا فائدہ دیتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس میں سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے رغبت کرے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو رزق عطا کیا ہے یہ اس کا بہت معمولی

حصہ ہے اس رزق کے حصول میں بندے کی قدرت کو کوئی دخل نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کے حصول کو آسان نہ بناتا اور اس کو عطا نہ کرتا تو بندہ اسے حاصل نہ کر سکتا..... پس اے وہ شخص! جس کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے نوازا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو خرچ کر اللہ تعالیٰ تجھ پر خرچ کرے گا اور اپنے فضل سے تیرے رزق میں اضافہ کرے گا۔

وَالْبُذْنُ جَعَلْنَهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا
اور قربانی کے اونٹ بنایا ہے ہم نے انہیں تمہارے لئے اللہ (کی عظمت) کی نشانیوں میں سے تمہارے لئے انہیں بہت بھلائی ہے، پس یاد کرو تم
اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافٍ ۚ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا
نام اللہ کا ان پر صاف بستہ (کھڑا کر کے) پھر جب گر جائیں (زمین پر) ان کے پہلو تو تم کھاؤ ان میں سے اور کھلاؤ
الْقَانِيعَ وَالْمُعْتَرِّطَ كَذَلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳۶﴾ لَنْ
بے سوالی محتاج اور سوالی (ضرورت مند) کو، اسی طرح تابع کر دیا ہم نے ان (چوپایوں) کو تمہارے لئے تاکہ تم شکر کرو اور ہرگز نہیں
يَنَالُ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ كَذَلِكَ
پہنچیں گے اللہ کو ان کے گوشت اور نہ ان کے خون لیکن پہنچے گا اسے تقویٰ تمہارا اسی طرح
سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدٰكُمْ ۚ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۷﴾
اللہ نے تابع کر دیا انکو واسطے تمہارے تاکہ تم بڑائی بیان کرو اللہ کی اور اس کے کہ اس نے ہدایت دی تمہیں، اور خوشخبری سنا دیجئے نیکی کرنے والوں کو

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ ”شعائر“ دین کی تمام ظاہری علامات میں عام ہے۔ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے۔ یہاں آگاہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جملہ شعائر میں (الْبُذْنُ) بھی داخل ہیں۔ ایک قول کے مطابق ”بُذْنُ“ وہ اونٹ اور گائے وغیرہ ہیں جن کو قربانی کے لئے بڑا اور موٹا کیا جائے اور ان کو اچھا جانا جائے۔ ﴿لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ﴾ یعنی قربانی دینے والے کے لئے اس میں بھلائی ہے یعنی اس میں سے کھانا، صدقہ کرنا، اس سے متمتع ہونا اور اجر و ثواب سب بھلائی ہے ﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا﴾ یعنی ذبح کرتے وقت ”بسم اللہ“ پڑھ کر ان کو ذبح کیا کرو۔ ﴿صَوَافٍ﴾ یعنی کھڑے ہونے کی حالت میں ان کو ذبح کرو۔ ان کو چاروں پاؤں پہ کھڑا کرو پھر ان کا اگلا بایاں پاؤں باندھ دو اور پھر ان کو نحر کرو۔

﴿فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا﴾ جب ان کے پہلو زمین پر ٹک جائیں پھر قصاب ان کو زمین پر گرا کر اس کی کھال وغیرہ اتار دے تب یہ جانور کھائے جانے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ ﴿فَكُلُوا مِنْهَا﴾ ”پس تم کھاؤ اس سے۔“ یہ قربانی کرنے والے سے خطاب ہے۔ پس اس کا اپنی قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے۔ ﴿وَأَطْعِمُوا الْقَانِيعَ﴾

وَالْمُعْتَرِّۙ یعنی اس محتاج کو بھی گوشت کھلاؤ جو قناعت اور عفت پسندی کی بنا پر سوال نہیں کرتا اور اس فقیر کو بھی قربانی کا گوشت دو جو اس کا سوال کرتا ہے۔ ہر ایک کا حق ہے۔

﴿كَذٰلِكَ سَخَّرْنَا لَكُمُۥ﴾ یعنی ہم نے ان قربانیوں کو تمہارے لئے مسخر کیا ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ ان کی تسخیر پر تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے لئے مسخر نہ کیا ہوتا تو تم میں ان کو مسخر کرنے کی طاقت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا مطیع بنایا، تم پر رحم اور احسان کرتے ہوئے ان کو تمہارے لئے مسخر کر دیا۔ پس اسی کی حمد و ثناء بیان کرو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَنْ يَنَالَ اللّٰهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا﴾ یعنی ان کو فقط ذبح کرنا مقصود نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون پہنچتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں سے بے نیاز اور قابل ستائش ہے اس کے پاس تو صرف بندوں کا اخلاص، ثواب کی امید اور صالح نیت پہنچتی ہے اس لئے فرمایا: ﴿وَلٰكِنْ يَنَالَہُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ﴾ لیکن اس کے پاس تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ پس اس آیت کریمہ میں قربانی میں اخلاص کی ترغیب دی گئی ہے۔ قربانی کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب ہو اس کا مقصد تقاخر یا کاری، شہرت کی خواہش یا محض عادت نہ ہو۔ اسی طرح دیگر تمام عبادات کے ساتھ اگر اخلاص اور تقویٰ مقرون نہ ہوں تو وہ اسی جھلکے کی مانند ہیں جس کے اندر مغز نہ ہو اور اس کی مثال اس جسد کی سی ہے جس کے اندر روح نہ ہو۔

﴿كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوْا اللّٰہَ﴾ یعنی تم اللہ تعالیٰ کی تعظیم و توقیر کرو ﴿عَلٰی مَا هَدٰكُمْ﴾ یعنی اس بنا پر کہ اس نے تمہیں ہدایت سے نوازا ہے کیونکہ وہ کامل ترین شا، جلیل ترین حمد اور بلند ترین تعظیم کا مستحق ہے۔ ﴿وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور خوشخبری دے دو نیکی کرنے والوں کو، یعنی جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتے ہیں گویا وہ اسے دیکھ رہے ہیں اگر وہ اس درجہ پر فائز نہیں تو عبادت کے وقت یہ اعتقاد رکھتے ہوئے عبادت کرتے ہیں کہ اللہ ان سے مطلع ہے اور ان کو دیکھ رہا ہے وہ اس کے بندوں سے ہر لحاظ سے اچھے سلوک سے پیش آتے ہیں یعنی ان کو مالی فائدہ یا علمی فائدہ پہنچاتے ہیں یا انہیں منصب اور جاہ کے ذریعے سے کوئی فائدہ دیتے ہیں یا ان کی خیر خواہی کرتے ہیں یا ان کو کسی نیکی کا حکم دیتے ہیں یا ان کو کسی برائی سے روک دیتے ہیں یا انہیں کوئی اچھی بات کہہ دیتے ہیں یہ تمام چیزیں ”احسان“ کے زمرے میں آتی ہیں۔

پس احسان کرنے والوں کے لئے دنیا و آخرت میں سعادت کی خوشخبری ہے۔ جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں احسان کو مد نظر رکھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ حسن سلوک کرے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ (الرحمن: ۶۰/۵۵) ”احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ اور ہے؟“ اور فرمایا: ﴿لِّلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا الْحُسْنٰی وَزِیَادًا﴾ (یونس: ۲۶/۱۰) ”جو احسان کے طریقے پر کاربند ہوئے ان

کے لئے احسان ہے اور کچھ زیادہ ہے۔“ (یعنی دیدار الہی)

إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ۝

بلاشبہ اللہ دور کرتا ہے (دشمنوں کو) ان لوگوں سے جو ایمان لائے بے شک اللہ نہیں پسند کرتا ہر خیانت کر نیوالے، ناشکرے کو ○

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کے لئے خوشخبری اور وعدہ ہے کہ وہ ہر تکلیف دہ معاملے میں ان کی مدافعت کرے گا، یعنی وہ ان کے ایمان کے سبب سے کفار کے ہر قسم کے شر سے شیطان کے وسوسوں کے شر سے اور خود ان کے اپنے نفس اور برے اعمال کے شر سے ان کی مدافعت کرے گا۔ مصائب کے نزول کے وقت جن کا بوجھ اٹھانے سے وہ قاصر ہیں اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے یہ بوجھ اٹھائے گا اور انتہائی حد تک ان کے بوجھ کو ہلکا کر دے گا۔ ہر مومن اپنے ایمان کے مطابق اس فضیلت اور مدافعت سے بہرہ ور ہوگا۔ کسی کو کم حصہ ملے گا کسی کو زیادہ۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ﴾ اللہ تعالیٰ امانت میں خیانت کرنے والے کو پسند نہیں کرتا جو اس نے اس کے سپرد کی ہے۔ پس خائن اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی کرتا ہے ان میں خیانت کا مرتکب ہوتا ہے اور مخلوق کے حقوق میں بھی خیانت کرتا ہے ﴿كَفُورٍ﴾ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا اللہ تعالیٰ اس پر احسان کرتا ہے اور یہ خائن جواب میں کفر اور عصیان پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو کبھی پسند نہیں کرتا بلکہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ وہ عنقریب اسے اس کے کفر اور خیانت کی سزا دے گا۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر امانت دار شخص سے جو اپنی امانت کی حفاظت کرتا ہے اور اپنے مولا کا شکر گزار ہے، محبت کرتا ہے۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝

اجازت دی گئی ہے (جہاد کی) ان لوگوں کو کہ لڑائی کئے جاتے ہیں وہ بسبب اس کے بیشک وہ مظلوم ہیں اور بلاشبہ اللہ ان کی مدد کرنے پر البتہ خوب قادر ہے ○

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۖ وَكَوْلَا

وہ لوگ جو نکالے گئے اپنے گھروں سے بغیر حق کے، صرف ان کے یہ کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر نہ ہوتا

دَفَعَ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ لَّهْدَمَتْ صَوَامِعُ وَبِيعُ وَصَلَوَاتُ

دور کرنا اللہ کا لوگوں کو ایک کو دوسرے کے ذریعے سے تو البتہ ڈھادیے جاتے رہا ہوں کے خلوت خانے اور گرجے، اور عبادت خانے بہودلوں کے،

وَمَسْجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۖ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۖ

اور مسجدیں کہ ذکر کیا جاتا ہے ان میں نام اللہ کا بہت اور البتہ ضرور مدد کرے گا اللہ اس کی جو مدد کرے گا اس (کے دین) کی،

إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ

بے شک اللہ البتہ بہت قوت والا، غالب ہے ○ وہ لوگ کہ اگر ہم قدرت دیں ان کو زمین میں تو وہ قائم کریں نماز

وَاتُوا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿۳۱﴾

اور ادا کریں زکوٰۃ اور وہ حکم دیں اچھے (نیک) کاموں کا اور روکیں برے کاموں سے اور اللہ ہی کے اختیار میں ہے انجام تمام امور کا ○ اسلام کی ابتداء میں مسلمانوں کو کفار کے خلاف جنگ کرنے کی ممانعت تھی اور ان کو صبر کرنے کا حکم تھا اس میں حکمت الہیہ پوشیدہ تھی۔ جب انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں ستایا گیا اور مدینہ منورہ پہنچ کر انہیں طاقت اور قوت حاصل ہو گئی تو انہیں کفار کے خلاف جہاد کی اجازت دیدی گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُفْتَلُوْنَ﴾ ”ان لوگوں کو اجازت دی جاتی ہے جن سے کافر لڑائی کرتے ہیں۔“ اس سے معلوم ہوا کہ اس سے قبل مسلمانوں کو جہاد کی اجازت نہ تھی پس اللہ نے انہیں ان لوگوں کے خلاف جہاد اور جنگ کی اجازت مرحمت فرمادی جو ان کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور انہیں کفار کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت صرف اس لئے ملی کیونکہ ان پر ظلم ڈھائے گئے انہیں ان کے دین سے روکا گیا دین کی وجہ سے ان کو اذیتیں دی گئیں اور ان کو ان کے گھروں اور وطن سے نکال دیا گیا۔ ﴿وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِہِمْ لَقَدِیْرٌ﴾ ”اور اللہ ان کی مدد کرنے پر یقیناً قادر ہے۔“ اس لئے اہل ایمان اسی سے نصرت طلب کریں اور اسی سے مدد مانگیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کے ظلم کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِہِمْ﴾ یعنی ان کو اذیتوں اور فتنے میں مبتلا کر کے اپنے گھروں سے نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا ﴿بَغْیًا حَقًّا اِنَّہُمْ لَفِیْ سَآءٍ مَّا کَانُوا لَیْسُوْا﴾ ”یعنی نافرمان اور ان کا گناہ اس کے سوا کچھ نہیں جس کی بنا پر ان کے دشمن ناراض ہو کر ان کو سزا دینے پر تلے ہوئے ہیں کہ وہ ﴿اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبَّنَا اللّٰهُ﴾ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے یعنی ان کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرتے ہیں اور دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنا گناہ ہے تو وہ ضرور گنہگار ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا نَقْبُوْا مِنْہُمْ اِلَّا اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾ (البروج: ۸۱/۸۵) ”وہ اہل ایمان سے صرف اس بات پر ناراض ہیں کہ اللہ تعالیٰ غالب اور قابل ستائش پر ایمان لاتے ہیں۔“

یہ آیت کریمہ جہاد کی حکمت پر دلالت کرتی ہے۔ جہاد کا مقصد اقامت دین یا اہل ایمان کا کفار کی اذیتوں ان کے ظلم اور ان کی تعدی سے دفاع کرنا ہے جو اہل ایمان پر ظلم و زیادتی کی ابتدا کرتے ہیں نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ممکن بنایا جائے اور دین کے تمام ظاہری قوانین کو نافذ کیا جائے اس لئے فرمایا: ﴿وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضُہُمْ بِبَعْضٍ﴾ ”اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ بٹاتا۔“ پس اللہ تعالیٰ مجاہدین فی سبیل اللہ کے ذریعے سے کفار کی ریشہ دوانیوں کا سد باب کرتا ہے۔ ﴿لَہُمْ مَّتَّ صَوَاعِغٌ وَبِیْعٌ وَصَلَوٰتٌ وَمَسْجِدٌ﴾ یعنی یہ بڑے بڑے معابد منہدم کر دیئے جاتے جو اہل کتاب کے مختلف گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں

مثلاً یہود و نصاریٰ کے معابد اور مسلمانوں کی مساجد۔

﴿يَذْكُرُ فِيهَا﴾ ”ذکر کیا جاتا ہے ان میں“ یعنی ان عبادت گاہوں میں ﴿اِسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا﴾ ”اللہ کا نام بہت زیادہ۔“ یعنی ان عبادت گاہوں کے اندر نماز قائم کی جاتی ہے، کتب البیہ کی تلاوت ہوتی ہے اور مختلف طریقوں سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے نہ روکے تو کفار مسلمانوں پر غالب آ جائیں، انکے معابد کو تباہ کر دیں اور دین کے بارے میں انکو آزمائش میں مبتلا کر دیں۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ جہاد جارج کی جارحیت اور ایذا رسانی کا سد باب کرنے اور بعض دیگر مقاصد کے لئے مشروع کیا گیا ہے، نیز یہ اس امر کی بھی دلیل ہے کہ وہ شہر جہاں امن اور اطمینان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی ہے اس کی مساجد آباد ہیں جہاں دین کے تمام شعائر قائم ہیں، یہ مجاہدین کی فضیلت اور ان کی برکت کی وجہ سے ہے۔ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے کفار کی ریشہ دوانیوں کا سد باب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُو فَضْلٍ عَلٰی الْعٰلَمِيْنَ﴾ (البقرہ: ۲۵۱/۲) ”اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے نہ ہٹاتا رہے تو زمین میں فساد برپا ہو جائے، مگر اللہ تعالیٰ جہان والوں پر بڑا ہی فضل کرتا ہے۔“

اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ ہم آج کل مسلمانوں کی مساجد کو آباد دیکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان مساجد میں ایک چھوٹی سی امارت اور ایک غیر منظم حکومت قائم ہوتی ہے حالانکہ ان پر ارد گرد کے فرنگیوں کے خلاف جہاد لازم ہے بلکہ ہم ایسی مساجد بھی دیکھتے ہیں جو کفار کی حکومت اور ان کے انتظام کے تحت آباد ہیں۔ اہل مسجد پر امن اور مطمئن ہیں حالانکہ کافر حکومتوں کو قدرت اور طاقت حاصل ہے کہ وہ ان مساجد کو منہدم کر دیں۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے نہ ہٹائے تو یہ معابد منہدم کر دیئے جائیں اور ہم نے تو لوگوں کو ایک دوسرے کو ہٹاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اس اعتراض اور اشکال کا جواب اس آیت کریمہ کے عموم میں داخل اور اس کے افراد میں سے ایک فرد ہے۔ جو کوئی زمانہ جدید کی حکومتوں کے حالات اور ان کے نظام کی معرفت رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ان حکومتوں کے تحت زندگی بسر کرنے والا ہر گروہ اور ہر قوم کو اس مملکت کا رکن اس کے اجزائے حکومت میں سے ایک جزو تصور کیا جاتا ہے خواہ یہ گروہ اپنی تعداد کی بنا پر اقتدار میں ہو، خواہ اپنی حربی استعداد یا مال یا علم یا خدمات کی بنا پر اقتدار میں شریک ہو۔ حکومتیں اس گروہ کے دینی اور دنیاوی مصالح و مفادات کی رعایت رکھتی ہیں اور اس بات سے ڈرتی ہیں کہ اگر انہوں نے ان کے مصالح کی رعایت نہ رکھی تو حکومت کے انتظام میں خلل واقع ہو جائے گا اور حکومت کے بعض ارکان مفقود ہو جائیں گے۔ پس اس سبب سے دین کے معاملات قائم ہیں۔ خاص طور پر مساجد کا نظم و

نق..... اَلْحَمْدُ لِلّٰہ..... بہترین طریقے سے ہو رہا ہے حتیٰ کہ بڑے بڑے ممالک کے درالحکومتوں میں مساجد کا انتظام انتہائی اچھے طریقے سے چل رہا ہے۔ ان ممالک کی حکومتیں اپنی مسلمان رعایا کی دل جوئی کی خاطر اس بات کا پورا خیال رکھتی ہیں حالانکہ ان نصرانی ممالک کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بغض اور حسد موجود ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ بغض اور حسد ان کے درمیان روز قیامت تک موجود رہے گا۔

پس مسلمان حکومت جو اپنا دفاع کرنے کی طاقت نہیں رکھتی ان کے آپس کے افتراق اور حسد کی وجہ سے ان کی جارحیت سے محفوظ رہتی ہے۔ کوئی ملک اس مسلمان ملک کے خلاف اس خوف سے جارحیت کا ارتکاب کرنے کی قدرت نہیں رکھتا کہ وہ کسی اور ملک کی حمایت اور مدد حاصل کرے گا۔ علاوہ ازیں یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کا مشاہدہ کروائے جس کا اس نے اپنی کتاب میں وعدہ کر رکھا ہے اور دین کی طرف مسلمانوں کے رجوع کی ضرورت کے شعور کے اجاگر ہونے کی بنا پر اس نصرت کے اسباب ظاہر ہو گئے ہیں..... وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ..... اور یہ شعور عمل کی پر بنیاد ہے لہذا ہم اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم پر اپنی نعمت کا اتمام کرے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا جو واقع کے مطابق سچ ثابت ہوا فرمایا: ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَن يَنْصُرُهُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے جو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور اس کے راستے میں جہاد کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیْ عَزِیْزٌ﴾ یعنی وہ پوری قوت کا مالک اور غالب ہے اس کے سامنے کسی کی کوئی مجال نہیں۔ وہ تمام مخلوق پر غالب ہے ان کی پیشانیاں اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ پس اے مسلمانو! خوش ہو جاؤ کہ اگرچہ تم تعداد اور ساز و سامان کے اعتبار سے کمزور ہو اور تمہارا دشمن طاقتور ہے مگر تمہیں قوت والی اور غالب ہستی پر بھروسہ اور اس ذات پر اعتماد ہے جس نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو تخلیق کیا۔

پس وہ تمام اسباب اختیار کرو جن کو استعمال کرنے کا تم کو حکم دیا گیا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اِنَّ تَنْصُرُوا اللّٰہَ يَنْصُرْکُمْ وَيَثْبُتْ اَقْدَامُکُمْ﴾ (محمد: ۷۱/۴۷) ”اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔“ اے مسلمانو! ایمان اور عمل صالح کی خاطر اٹھ کھڑے ہو! ﴿وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيَسْکُنَنَّ لَہُمْ دِیْنُہُمْ الَّذِیْ اَرْضٰی لَہُمْ وَلَیَبْدِلَنَّهُمْ قَبْلَ خَوْفِہُمْ اَمْنًا یَّعْبُدُوْنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا﴾ (النور: ۵۵/۲۴) ”تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین کی خلافت عطا کرے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو زمین کی خلافت عطا کی تھی ان کے دین کو ان کے لئے مستحکم کر دے گا جسے اللہ نے ان کے

لئے پسند فرمایا ہے ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی علامت بیان فرمائی ہے جو اس کی مدد کرتے ہیں۔ یہی علامت ان کی پہچان ہے اور جو کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی مدد کرتا ہے مگر وہ اس وصف سے متصف نہیں ہوتا تو وہ جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ علامت بیان فرمائی ہے۔ ﴿الَّذِينَ اِنْ مَكَّنْهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ یعنی اگر ہم ان کو زمین کا مالک بنادیں اور ان کو زمین کا تسلط بخش دیں اور کوئی ان کی معارضت اور مخالفت کرنے والا باقی نہ رہے ﴿اَقَامُوا الصَّلَاةَ﴾ تو وہ نماز کے اوقات میں نماز کو اس کی تمام حدود اذکاران شرائط جمعہ اور جماعت کے ساتھ قائم کرتے ہیں ﴿وَاتَوُوا الزَّكَاةَ﴾ اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ جو ان پر خاص طور پر اور رعایا پر عام طور پر واجب ہے یہ زکوٰۃ وہ مستحقین کو ادا کرتے ہیں ﴿وَامَرُوا بِالْمَعْرُوفِ﴾ نیکیوں کا حکم دیتے ہیں۔ (معروف) ہر اس کام کو شامل ہے جو عقلاً اور شرعاً حقوق اللہ اور حقوق العباد کے اعتبار سے نیک ہو۔ ﴿وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ”اور برائی سے روکتے ہیں۔“ ہر برائی جس کی قباحت شرعاً اور عقلاً معروف ہو (منکر) کہلاتی ہے۔

کسی چیز کے حکم دینے اور اس کے منع کرنے میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کے بغیر اس کی تکمیل ممکن نہ ہو۔ پس جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تعلیم و تعلم پر موقوف ہے تو لوگوں کو تعلیم اور تعلم پر مجبور کرتے ہیں اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شرعی طور پر مقرر کردہ یا غیر مقرر کردہ تادیب پر موقوف ہو مثلاً مختلف قسم کی تعزیرات تو انہیں قائم کرتے ہیں۔ جب یہ معاملہ اس بات پر موقوف ہو کہ لوگ کچھ امور کے خوگر ہوں جن کے بغیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اتمام ممکن نہیں تو ان پر ان امور کو لازم کیا جائے گا اور اسی طرح معاملات ہیں کہ ان کے بغیر اگر امر بالمعروف یا نہی عن المنکر ممکن نہ ہو تو ان کا اہتمام ضروری ہوگا۔

﴿وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُورِ﴾ یعنی تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اچھا انجام تقویٰ ہی کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن بادشاہوں کو بندوں پر تسلط بخشا اور انہوں نے اللہ کے حکم کو نافذ کیا ان کی حالت رشد و ہدایت پر مبنی اور ان کی عاقبت قابل ستائش ہے۔ اور وہ بادشاہ جو جبر سے لوگوں پر مسلط ہو جاتا ہے پھر وہ اپنی خواہشات نفس کو ان پر نافذ کرتا ہے تو اقتدار اگرچہ ایک مقررہ وقت تک اس کے پاس رہتا ہے تاہم اس کا انجام ناقابل ستائش اس کی حکومت نامقبول اور اس کی عاقبت مذموم ہے۔

وَ اِنْ يَكْذِبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّ عَادٌ وَّ ثَمُوْدٌ ﴿۲۱﴾

اور اگر وہ جھٹلائیں آپ کو تو تحقیق جھٹلایا ہے ان سے پہلے قوم نوح نے، اور عاد اور ثمود نے ○

وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَّ قَوْمُ لُوْطٍ ﴿۲۲﴾ وَّ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ وَّ كَذَّبَ مُوسٰی

اور قوم ابراہیم اور قوم لوط نے ○ اور اہل مدین نے بھی، اور جھٹلائے گئے موسیٰ بھی

فَأَمَلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿۳۴﴾ فَكَأَيِّنْ مِّنْ

پس مہلت دی میں نے کافروں کو، پھر میں نے پکڑا ان کو پس کیا تھا میرا عذاب؟ ○ پس کتنی ہی قریۃ اہلکنہا وَہی ظالِمۃٌ فہی خَاوِیۃٌ عَلٰی عُرُوشِہَا ز وَبِئْسَ

بستیاں ہیں کہ ہلاک کر دیا ہم نے ان کو اور وہ ظالم تھیں، پس وہ گری پڑی ہیں اور اپنی چھتوں کے، اور (کتنے ہی) کنویں ہیں مُعْطَلۃٌ وَقَصِیْرٌ مَّشِیْدٌ ﴿۳۵﴾ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَہُمْ قُلُوْبٌ

ناکارہ پڑے ہوئے اور (کتنے ہی) محل ہیں مضبوط (ویران)؟ ○ کیا پس نہیں سیر کی انہوں نے زمین میں؟ کہ ہوتے ان کیلئے دل کہ یَعْقِلُوْنَ بِہَا اَوْ اِذَا نُسِّمَعُوْنَ بِہَا ۚ فَاِنَّہَا لَا تَعْنٰی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ

سمجھتے وہ انکے ساتھ، یا (ہوتے ان کے) کان کہ وہ سنتے ان کے ساتھ پس بلاشبہ قصہ یہ ہے کہ نہیں اندھی ہوتیں آنکھیں لیکن تَعْنٰی الْقُلُوْبُ اَلَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿۳۶﴾

اندھے ہوتے ہیں دل، وہ جو سینوں میں ہیں ○

اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر یہ مشرکین آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ کوئی پہلے رسول نہیں ہیں جس کو جھٹلایا گیا ہو اور یہ امت بھی کوئی پہلی امت نہیں جس نے اپنے رسول کو جھٹلایا ہے۔ ﴿فَقَدْ كَذَّبْتَ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ ﴿۳۷﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰہِیْمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿۳۸﴾ وَاصْحٰبُ مَدَیْنٍ وَكَذٰبٌ مُّوسٰی﴾ بلاشبہ ان سے پہلے قوم نوح نے عاد و ثمود نے، قوم ابراہیم و قوم لوط نے اور اصحاب مدین (قوم شعیب) نے رسولوں کو جھٹلایا، موسیٰ علیہ السلام کی بھی تکذیب کی گئی۔ ﴿فَأَمَلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ﴾ یعنی تکذیب کرنے والوں کو میں نے ڈھیل دی۔ ان کو سزا دینے میں میں نے جلدی نہ کی یہاں تک کہ وہ اپنی سرکشی پر جبرے رہے اور اپنے کفر و شر میں بڑھتے ہی چلے گئے ﴿ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ﴾ پھر میں نے ان کو غالب اور قدرت رکھنے والی ہستی کی طرح عذاب کے ذریعے سے گرفت میں لے لیا۔ ﴿فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ﴾ پھر دیکھا ان کے کفر اور ان کی تکذیب پر میری نکیر کیسی تھی اور اس کا کیسا حال تھا۔ ان کے لئے بدترین سزا اور قبیح ترین عذاب تھا۔ ان میں سے بعض کو غرق کر دیا گیا، بعض کو ایک چنگھاڑنے آلیا اور بعض طوفانی ہوا کے ذریعے ہلاک کر دیئے گئے، بعض کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور بعض کو چھتری والے دن کے عذاب کے ذریعے سے ہلاک کیا گیا لہذا تکذیب کرنے والوں کو ان قوموں سے عبرت پکڑنی چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کو بھی وہی عذاب آ لے جو گزشتہ بدکردار قوموں پر نازل ہوا یہ ان سے بہتر نہیں ہیں اور نہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں ہی میں براءت کی کوئی ضمانت ہے۔

ان جیسے کتنے ہی لوگ ہیں جن کو عذاب سے ہلاک کیا گیا، اس لئے فرمایا: ﴿فَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ﴾ یعنی کتنی ہی بستیاں ہیں ﴿اَہْلَکْنٰہَا﴾ جن کو ہم نے دنیاوی رسوائی کے ساتھ سخت عذاب کے ذریعے سے ہلاک

کیا۔ ﴿وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ اور ان کی حالت یہ تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار اور رسول کی تکذیب کر کے ظلم کا ارتکاب کیا تھا۔ ان کے لئے ہماری سزا ظلم نہ تھا۔ ﴿فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا﴾ پس ان کے گھر منہدم ہو کر اجڑے پڑے ہیں ان کے محل اور عمارتیں اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہیں۔ کبھی یہ آباد تھیں اب ویران پڑی ہیں کبھی اپنے رہنے والوں کے ساتھ معمور تھیں اب وہاں وحشت ٹپکتی ہے۔

﴿وَبِنَاءٍ مُّعْظَلَةٍ وَ قَصْرِ مُشِيدٍ﴾ کتنے ہی کنویں ہیں جہاں کبھی پانی پینے اور مویشیوں کو پلانے کے لئے لوگوں کا ازدحام ہوا کرتا تھا۔ اب ان کنوؤں کے مالک مفقود اور پانی پینے والے معدوم ہیں کتنے ہی محل اور قصر ہیں جن کے لئے ان کے رہنے والوں نے مشقت اٹھائی ان کو چونے سے مضبوط کیا ان کو بلند کیا ان کو محفوظ کیا اور ان کو خوب سجایا مگر جب اللہ کا حکم آ گیا تو کچھ بھی ان کے کام نہ آیا اور یہ محل خالی پڑے رہ گئے اور ان میں رہنے والے عبرت پکڑنے والوں کے لئے سامان عبرت اور فکر و نظر رکھنے والوں کے لئے مثال بن گئے۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو زمین میں چلنے پھرنے کی دعوت دی ہے تاکہ وہ غور و فکر کریں اور عبرت پکڑیں چنانچہ فرمایا: ﴿اَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ﴾ کیا وہ اپنے قلب و بدن کے ساتھ زمین میں چلے پھرے نہیں۔ ﴿فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کو سمجھتے اور عبرت کے لئے ان میں غور و فکر کرتے۔ ﴿اَوْ اَذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا﴾ یعنی گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات اور جن قوموں پر عذاب نازل کیا گیا ان کی خبریں سنتے..... وگرنہ محض آنکھوں اور کانوں سے سننا اور فکر اور عبرت سے خالی ہو کر زمین میں چلنا پھرنا کوئی فائدہ نہیں دیتا اور نہ اس سے مطلوب کا حصول ممکن ہے اسی لئے فرمایا: ﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبَ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ یعنی یہ اندھا پن جو دین کے لئے ضرور ساس ہے درحقیقت حق کے بارے میں قلب کا اندھا پن ہے حتیٰ کہ جیسے بصارت کا اندھا مریات کا مشاہدہ نہیں کر سکتا اسی طرح بصیرت کا اندھا حق کا مشاہدہ کرنے سے عاری ہے لیکن بصارت کا اندھا تو صرف دنیاوی منفعت تک پہنچنے سے محروم ہے۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ
اور وہ (لوگ) جلدی طلب کرتے ہیں آپ سے عذاب کو، اور ہرگز نہیں خلاف کرے گا اللہ اپنے وعدے کے اور بلاشبہ ایک دن نزدیک
رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۝۵۰ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا
آپ کے رب کے مانند ایک ہزار سال کے ہے ان (دنوں) سے جو تم گنتے ہو ۵۰ اور کتنی ہی بستیوں ہیں کہ مہلت دی میں نے انکو
وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا ۖ وَإِلَى الْمَصِيرِ ۝۵۱

جبکہ وہ ظالم تھیں، پھر میں نے پکڑا ان کو، اور میری طرف ہی (سب کی) واپسی ہے ۵۱

عذاب کی تکذیب کرنے والے اپنی جہالت، ظلم، عناد اللہ تعالیٰ کو عاجز سمجھتے اور اس کے رسولوں کی تکذیب

کرتے ہوئے آپ ﷺ سے جلدی عذاب نازل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ عذاب کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور واقع ہو کر رہے گا کوئی روکنے والا اس کو روک نہیں سکتا۔ رہا اس عذاب کا جلدی آنا، تو اے محمد! (ﷺ) یہ آپ کے اختیار میں نہیں ان کے جلدی مچانے اور ہمیں عاجز گردانے پر آپ ﷺ کو ہلکانہ سمجھیں، قیامت کا دن ان کے سامنے ہے جس میں اللہ تعالیٰ تمام اولین و آخرین کو اکٹھا کرے گا، ان کو ان کے اعمال کی جزادی جائے گی اور ان کو دردناک عذاب میں ڈالا جائے گا، اس لئے فرمایا: ﴿وَإِنْ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَنفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ﴾ یعنی قیامت کا دن اپنی طوالت، اپنی شدت اور اپنی ہولناکی کی وجہ سے ہزار برس کا لگے گا..... لہذا خواہ ان پر دنیا کا عذاب نازل ہو جائے یا آخرت تک عذاب کو موخر کر دیا جائے یہ دن تو بہر طور ان پر آ کر رہے گا۔

اور یہ احتمال بھی ہے کہ مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نہایت حلم والا ہے، پس اگر وہ عذاب کے لئے جلدی مچاتے ہیں تو (انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک دن تمہارے شمار کے ہزار برس کے برابر ہے۔ پس یہ مدت خواہ تم اس کو کتنا ہی لمبا کیوں نہ سمجھو اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو کتنا ہی دور کیوں نہ سمجھو اللہ تعالیٰ بہت طویل مدتوں تک مہلت عطا کرتا رہتا ہے مگر حساب لئے بغیر بے فائدہ نہیں چھوڑتا حتیٰ کہ جب وہ ظالموں کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیتا ہے تو پھر ان کو چھوڑتا نہیں۔

﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا﴾ یعنی میں نے ایک طویل مدت تک ان کو مہلت دی ﴿وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ یعنی ان کے ظلم کے باوجود اور ان کا ظلم میں سبقت کرنا ہمارے عذاب میں جلدی کا موجب نہ بنا ﴿ثُمَّ أَخَذْنَاهَا﴾ پھر میں نے ان کو عذاب کی گرفت میں لے لیا۔ ﴿وَالِیَّ النِّصِيرُ﴾ دنیا میں ان پر عذاب نازل کرنے کے باوجود انہیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے پھر وہ انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں عذاب دے گا۔ یہ ظالم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت سے فریب نہ کھائیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کے نازل ہونے سے بچیں۔

قُلْ يَٰكَيْهَ النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۹﴾ فَالَّذِينَ آمَنُوا کہہ دیجئے اے لوگو! یقیناً میں تمہارے لئے ڈرانے والا ہوں کھلم کھلا ○ پس وہ لوگ جو ایمان لائے وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِينَ سَعَوْا اور انہوں نے عمل کئے نیک، ان کے لئے مغفرت ہے اور روزی عزت والی ○ اور وہ لوگ جنہوں نے کوشش کی فِیْ آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۲۱﴾

ہماری آیتوں (کے جھٹلانے) میں (ہمیں) عاجز کرنے کے لئے، وہی لوگ ہیں جہنمی ○

اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ وہ تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر کہیں کہ وہ اللہ

تعالیٰ کے رسول برحق ہیں، اہل ایمان کو ثواب کی خوشخبری سنانے والے اور کافروں اور ظالموں کو اس کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔ ﴿مُبَشِّرِينَ﴾ یعنی واضح طور پر ڈرانے والے ہیں۔ ”انذار“ سے مراد ایسا ڈرانا ہے جس میں اس امر سے بھی خبردار کیا گیا ہو جس سے ڈرانا مقصود ہے کیونکہ آپ ﷺ نے جس امر سے ان کو ڈرایا، اس کی صداقت پر روشن اور واضح دلائل قائم کئے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس انذار اور بعثیر کی تفصیل بیان فرمائی ﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ﴾ ”اہل ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کے لیے مغفرت ہے۔“ یعنی ان سے کسی گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیتا ہے۔ ﴿وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ اس سے مراد جنت ہے، یعنی رزق کی اقسام میں بہترین قسم جو تمام فضائل کی جامع اور تمام کمالات سے بڑھ کر ہے۔

آیت کریمہ کا حاصل معنی یہ ہے کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور یہ ایمان ان کے دلوں میں گھر کر گیا اور پھر ایمان صادق بن گیا..... اور اس ایمان کے ساتھ انہوں نے نیک کام بھی کئے، ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان گناہوں کی مغفرت ہے جو ان سے واقع ہو گئے تھے اور ان کے لئے جنت میں بہترین رزق ہوگا اور یہ رزق تمام فضائل و کمالات کا جامع ہوگا ﴿وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَتِنَا مُعْجِزِينَ﴾ ”وہ لوگ جو ہماری آیتوں کو پست کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔“ یعنی جو بزم خود اللہ تعالیٰ کی آیات کو نیچا دکھانے کے لئے بڑھ چڑھ کر کوشش کرتے ہیں یہ امید رکھتے ہوئے کہ اسلام کے خلاف ان کی سازش کامیاب ہو جائے گی۔ ﴿أُولَٰئِكَ﴾ ”یہی لوگ“ جو آیات الہی کو نیچا دکھانے کی کوشش کرنے سے متصف ہیں۔ ﴿أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ ”جہنمی ہیں۔“ یعنی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اور ہر وقت وہیں رہیں گے۔ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی نہ لمحہ بھر کے لئے یہ دردناک عذاب ان سے ہٹایا جائے گا۔

حاصل معنی یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں اور بزم خود اہل ایمان کو نیچا دکھانے کے لئے ان کی مخالفت اور ان سے دشمنی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ اپنا مقصد حاصل کر لیں گے، یہ لوگ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں رہیں گے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ
اور ہمیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ نبی مگر جب وہ تلاوت کرتا تو ڈال دیتا شیطان
فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسُخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ أَيْتَهُ
اسکی تلاوت میں (کچھ اپنی طرف سے) پس مٹا دیتا اللہ اس (دوسرے) کو جو ڈالتا شیطان، پھر حکم (پنتہ) کر دیتا اللہ اپنی آیتیں
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٧﴾ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ
اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے ۵ تاکہ بنا دے اللہ اس کو جو ڈالتا ہے شیطان آزمائش ان لوگوں کے لئے کہ

فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿٥٧﴾

ان کے دلوں میں روگ ہے، اور وہ جو سخت ہیں دل ان کے، اور بے شک ظالم تو (پڑے ہوئے) ہیں مخالفت میں دور کی ○
وَلْيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ

اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جو دیئے گئے علم، کہ بلاشبہ یہ (قرآن) حق ہے آپ کے رب کی طرف سے، پس وہ ایمان لائیں اسکے ساتھ پھر جھک جائیں
لَهُ قُلُوبُهُمْ ط وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٨﴾

اس کے لئے ان کے دل اور بے شک اللہ البتہ ہدایت دینے والا ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے، طرف سیدھے راستے کی ○
وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مَرِيَةٍ مِّنْهُ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ

اور ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، شک میں اس (قرآن) سے، یہاں تک کہ آجائے انکے پاس قیامت اچانک یا
يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿٥٩﴾ أَلَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ط يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ط

آجائے ان پر عذاب بانجھ (بے برکت) دن کا ○ بادشاہی اس دن اللہ ہی کی ہوگی وہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان،
فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٦٠﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا

پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے نیک، (وہ ہوں گے) باغات میں نعمتوں کے ○ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا
بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٦١﴾

ہماری آیتوں کو، تو یہ لوگ، ان کے لئے ہے عذاب ذلیل کرنے والا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور اپنے بندوں کے لئے جو کچھ اختیار کر رکھا ہے اس کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے نیز بیان فرماتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے پہلے ﴿مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى﴾ جو بھی رسول اور نبی گزرا جب بھی اس نے تمنا کی، یعنی قراءت کی جس کے ذریعے سے وہ لوگوں کو نصیحت کرتا، ان کو معروف کا حکم دیتا اور منکر سے روکتا ﴿أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ﴾ ”تو شیطان اس کی تمنا میں القاء کر دیتا ہے۔“ یعنی اس کی قراءت میں ایسے امر سے فریب دینے کی کوشش کرتا جو اس قراءت کے مناقض (مخالف) ہوتا..... حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کو تبلیغ رسالت کے ضمن میں معصوم رکھا ہے اور ہر چیز سے اپنی وحی کی حفاظت کی ہے تاکہ اس میں کوئی اشتباہ یا اختلاط واقع نہ ہو۔ مگر اس شیطانی القاء کو استقرار اور دوام نہیں ہوتا۔ یہ ایک عارض ہے جو پیش آتا ہے پھر زائل ہو جاتا ہے اور عوارض کے کچھ احکام ہیں اس لئے فرمایا: ﴿فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اس القاء کو زائل کر کے باطل کر دیتا ہے اور واضح کر دیتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات نہیں ہیں۔

﴿ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ یعنی پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو محکم اور متحقق کر دیتا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی آیات شیطانی القاء کے اختلاط سے محفوظ اور خالص رہتی ہیں۔ ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ﴾ اور

اللہ تعالیٰ کامل علم کا مالک ہے۔ وہ اپنے کمال علم سے اپنی وحی کی حفاظت کر کے شیطانی القاء کو زائل کر دیتا ہے۔ ﴿حَكِيمٌ﴾ وہ اشیاء کو ان کے لائق شان مقام پر رکھتا ہے۔ پس یہ اس کے کمال حکمت کا حصہ ہے کہ اس نے شیاطین کو القاء کا اختیار دیا تاکہ اس امر کا حصول ہو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً﴾ تاکہ کر دے اللہ القائے شیطانی کو آزمائش۔ لوگوں کے دو گروہوں کے لئے فتنہ بنا دے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پروا نہیں اور یہ وہ لوگ ہیں ﴿الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ جن کے دلوں میں کمزوری ہے اور ان کے دلوں میں ایمان کامل اور تصدیق جازم معدوم ہیں۔ پس یہ القاء ایسے دلوں پر اثر کرتا ہے جن کے دلوں میں ادنیٰ سا شبہ بھی ہوتا ہے جب وہ اس شیطانی القاء کو سنتے ہیں تو شک و ریب ان کے دلوں میں گھر کر لیتا ہے اور یہ چیز ان کے لئے فتنہ بن جاتی ہے۔ ﴿وَالْقَالِسِيَّةَ قُلُوبُهُمْ﴾ یعنی (دوسرا گروہ) وہ لوگ ہیں جن کے دل سخت ہوتے ہیں۔ ان کی قساوت قلبی کی بنا پر کوئی وعظ و نصیحت اور کوئی زجر و توبیخ ان پر اثر کرتی ہے نہ اللہ اور اس کے رسول کی کوئی بات ان کی سمجھ میں آتی ہے۔ پس جب وہ شیطانی القاء کو سنتے ہیں تو اسے اپنے باطل کے لئے حجت بنا لیتے ہیں اور اس کو دلیل بنا کر جھگڑا کرتے ہیں اور پھر اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں اسی لیے فرمایا: ﴿وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ﴾ یعنی یہ ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دشمنی حق کے ساتھ عناد اور اس کی مخالفت میں راہ صواب سے بہت دور نکل گئے ہیں۔ پس شیطان جو کچھ القاء کرتا ہے وہ ان دونوں قسم کے گروہوں کے لئے فتنہ بن جاتا ہے اور یوں ان کے دلوں میں جو خبث چھپا ہوتا ہے ظاہر ہو جاتا ہے۔

رہا تیسرا گروہ تو یہ شیطانی القاء ان کے حق میں رحمت بن جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ ﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ﴾ اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جن کو علم دیا گیا کہ وہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو علم سے نواز رکھا ہے جس کے ذریعے سے وہ حق اور باطل ہدایت اور گمراہی کے درمیان امتیاز کرتے ہیں۔ پس وہ دونوں امور میں تفریق کرتے ہیں ایک حق مستقر ہے جس کو اللہ محکم کرتا ہے اور دوسرا عارضی طور پر طاری ہونے والا باطل ہے جس کو اللہ تعالیٰ زائل کر دیتا ہے وہ حق و باطل کے شواہد اور علامات کے ذریعے سے ان میں تفریق کرتے ہیں..... تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے۔ وہ آزمائش میں ڈالتا ہے تاکہ اچھے اور برے نفوس میں چھپے ہوئے خیالات کو ظاہر کر دے۔

﴿فَيُؤْمِنُوا بِهِ﴾ تاکہ وہ اس سبب سے اس پر ایمان لائیں اور معارضات و شبہات کے دور ہونے سے ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ﴿فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ﴾ اور اس کے سامنے ان کے دل جھک جائیں اور اس کی حکمت کو تسلیم کر لیں اور یہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ ﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَهُدَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ اللہ ان کو ان کے ایمان کے سبب سے راہ راست پر گامزن کرتا ہے یعنی حق کے علم اور اس کے تقاضوں پر عمل کی

طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ قول ثابت کے ذریعے سے اہل ایمان کو دنیا اور آخرت کی زندگی میں ثابت قدمی عطا کرتا ہے..... اور یہ نوع بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ثابت قدمی ہے۔

ان آیات کریمہ میں اس امر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے گزشتہ انبیاء و مرسلین کا طریقہ ایک نمونہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے سورۃ ”النجم“ تلاوت فرمائی تو جب آپ ﷺ اس مقام پر پہنچے ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۖ وَمَنْوَةَ الْكَافَّةِ﴾ (النجم: ۱۹، ۲۰) ”بھلا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا اور تیسرے منات کو بھی (بھلا یہ بت معبود ہو سکتے ہیں؟“ تو شیطان نے آپ کی تلاوت کے درمیان یہ الفاظ القاء کر دیئے۔ ﴿بَلْكَ الْغُرَانِيقُ الْعُلَىٰ ۖ وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَشَرْحَجَىٰ﴾ ”یہ خوبصورت اور بلند مرتبہ دیویاں ہیں جن کی سفارش کی توقع کی جاسکتی ہے۔“ اس طرح رسول اللہ ﷺ کو حزن و غم کا سامنا کرنا پڑا اور لوگ فتنہ میں مبتلا ہوئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔^①

اللہ تبارک و تعالیٰ کفار کی حالت کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ کفار ہمیشہ شک و ریب میں مبتلا رہیں گے۔ اے محمد! (ﷺ) آپ جو کچھ ان کے پاس لے کر آئے ہیں کفار اپنے عناد اور اعراض کے باعث شک کرتے رہیں گے اور وہ اسی حال میں ہمیشہ رہیں گے ﴿حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ ”یہاں تک کہ ان کے پاس قیامت کی گھڑی اچانک آجائے“ ﴿أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ عَقِيمٍ﴾ ”یا ان کے پاس بانجھ دن کا عذاب آجائے۔“ یعنی ایسے دن کا عذاب آجائے جس میں ان کے لئے کوئی بھلائی نہیں اور وہ قیامت کا دن ہے۔ جب قیامت کی گھڑی ان کے پاس آجائے گی یا وہ دن آجائے گا تو ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا جنہوں نے کفر کیا کہ وہ جھوٹے تھے۔ وہ نادم ہوں گے جبکہ ان کی ندامت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی۔ وہ ہر بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ کاش انہوں نے رسول پر ایمان لا کر اس کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ اس آیت میں کفار کو اپنے شک و شبہات اور افترا پر دازی پر قائم رہنے سے ڈرایا گیا ہے۔

﴿الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ﴾ ”بادشاہی اس دن۔“ یعنی قیامت کے روز ﴿لِلَّهِ﴾ ”صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔“ اور اس کے سوا کسی اور کا کوئی اقتدار و اختیار نہ ہوگا۔ ﴿يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ﴾ وہ ان کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کرے گا۔ ﴿قَالِذِينَ آمَنُوا﴾ پس وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور جو کچھ رسول لے کر آئے اس پر ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ اور نیک عمل کئے تاکہ ان کے ذریعے سے اپنے ایمان کی سچائی کا ثبوت بہم پہنچائیں

① حدیث غرائیق موضوع اور باطل ہے۔ محدث عصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ”نصب المجانیق لنسف قصۃ الغرائیق“ میں سند اور متن دونوں اعتبار سے حدیث غرائیق کا بطلان واضح کیا ہے۔ اور اس سے قبل شیخ محمد عبدہ نے بھی اس کے موضوع ہونے کی وضاحت کی ہے۔ (از محقق)

﴿فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ﴾ ”نعمت والے باغوں میں ہوں گے۔“ یعنی انہیں قلب و روح اور بدن کی ایسی نعمت حاصل ہوگی جسے کوئی بیان کرنے والا بیان کر سکتا ہے نہ عقل اس کا ادراک کر سکتی ہے۔

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور وہ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کیا ﴿وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ اور حق و صواب کی طرف راہ نمائی کرنے والی ہماری آیات کی تکذیب کی، ان سے روگردانی کی یا ان سے عناد رکھا ﴿فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ ان کے لئے انتہائی شدید المناک اور دلوں تک اتر جانے والا رسوا کن عذاب ہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے انبیاء و مرسلین اور اس کی آیات کی اہانت کی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اہانت آمیز عذاب میں مبتلا کیا۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّزُقِينَ ﴿۵۹﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ رِزْقًا حَسَنًا ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّزُقِينَ ﴿۵۹﴾ البتہ ضرور رزق دے گا ان کو اللہ رزق بہت اچھا اور بلاشبہ اللہ، البتہ وہی ہے سب سے بہتر رزق دینے والا ۝ البتہ ضرور داخل کریگا وہ ان کو اس مقام میں کہ وہ پسند کریں گے ۝

وَاللَّهُ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿۵۹﴾

اور بلاشبہ اللہ البتہ خوب جاننے والا بردبار ہے ۝

یہ آیت کریمہ اس شخص کے لئے بہت بڑی بشارت ہے جس نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی نصرت کی خاطر اپنا گھر بار مال اور اولاد چھوڑ کر وطن سے نکلا۔ اب یہ شخص خواہ اپنے بستر پر جان دے یا جہاد کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں قتل کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ پر اس کا اجر واجب ہو گیا ﴿لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا﴾ ”اللہ تعالیٰ انہیں اچھا رزق عطا کرے گا“ عالم برزخ میں اور قیامت کے روز جنت میں داخل کر کے اچھے رزق سے نوازے گا۔ اس جنت میں آرام، خوشبوئیں، حسن، احسان اور قلب و بدن کی تمام نعمتیں جمع ہوں گی۔ اس میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں کشادہ اور اچھے رزق کی ذمہ داری اٹھائی ہے، خواہ اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ بستر پر جان دے یا اللہ کے راستے میں شہید کر دیا جائے، ان سب کے لئے رزق کی ضمانت ہے۔ اس لئے ہجرت کرنے والے کو یہ وہم لاحق نہ ہو کہ جب وہ اپنے گھر بار اور مال و اولاد کو چھوڑ کر نکلے گا تو محتاج ہو جائے گا کیونکہ اس کا رازق وہ ہے جو سب سے بہتر رزق عطا کرنے والا ہے۔

یہ اسی طرح واقع ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا تھا۔ مہاجرین و سائقین نے نصرت دین کی خاطر اپنا گھر بار اولاد اور مال چھوڑ دیا، تو ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے بہت سے شہر فتح

کروائے، انہیں لوگوں پر اقتدار و اختیار عطا کیا تو انہوں نے ان شہروں سے مال حاصل کیا اور اس مال کے ذریعے سے سب سے دولت مند ہو گئے اور انکا حال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مصداق ہو گیا: ﴿لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَ﴾ ”اور اللہ ان کو ایسی جگہ میں داخل فرمائے گا جس کو وہ پسند کریں گے۔“

اس سے مراد یا تو وہ شہر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں فتح کئے، خاص طور پر مکہ مکرمہ، کیونکہ اہل ایمان مکہ مکرمہ میں نہایت مسرت اور رضا کی حالت میں داخل ہوئے تھے..... یا اس سے مراد آخرت کا رزق اور جنت میں داخل ہونا ہے۔ پس آیت کریمہ رزق کی دونوں اقسام یعنی رزق دنیا اور رزق آخرت دونوں کو جمع کرنے والی ہے لفظ کا اطلاق دونوں کے لئے درست اور معنی دونوں کے صحیح ہے۔ ان تمام معانی کے اطلاق سے کوئی امر مانع نہیں۔ ﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ﴾ اللہ تعالیٰ ظاہری اور باطنی گزرے ہوئے اور آنے والے تمام امور کا علم رکھتا ہے۔ ﴿حَلِيمٌ﴾ مخلوق اس کی نافرمانی کرتی ہے اور بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتی ہے مگر وہ کامل قدرت رکھنے کے باوجود مزادینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ان کو پیہم رزق مہیا فرماتا اور اپنے فضل سے انہیں نوازتا ہے۔

ذَلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ
(بات) یہی ہے، اور جو شخص بدلہ لے مثل اسکے جو زیادتی کی گئی اسکے ساتھ، پھر ظلم کیا جائے اس پر تو البتہ ضرور مدد کرے گا اسکی
اللَّهُ ط إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴿۶۰﴾

اللہ بلاشبہ اللہ البتہ نہایت معاف کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے ○

جس شخص کے ساتھ زیادتی اور ظلم کا ارتکاب کیا گیا ہو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس ظالم کا مقابلہ ویسی ہی زیادتی کے ساتھ کرے۔ اگر وہ ایسا کرے تو اس پر کوئی مواخذہ اور کوئی ملامت نہیں۔ پس اگر اس کے بعد بھی وہ اس پر زیادتی کرے تو اللہ تعالیٰ اس ظالم کی مدد کرے گا کیونکہ وہ اب مظلوم ہے، اس بنا پر اس کو ظلم و زیادتی کا نشانہ بنانا جائز نہیں کیوں کہ اس نے اپنا حق وصول کر لیا ہے پس جب دوسرے سے اس کی برائی کا بدلہ لینے والا شخص اپنا بدلہ لینے کے بعد زیادتی کرے تو اس کے بعد اس پر پھر ظلم کیا جائے اللہ تعالیٰ اس دوسرے کی (جواب مظلوم ہے) مدد فرماتا ہے اور وہ مظلوم جو سرے سے بدلہ ہی نہ لے تو اس کے لیے تو اللہ کی مدد بہت زیادہ قریب ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ﴾ ”بلاشبہ اللہ بہت معاف کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے۔“ یعنی وہ گناہ گاروں کو معاف کر دیتا ہے۔ ان کو مزادینے میں جلدی نہیں کرتا، وہ ان کے گناہ بخش دیتا ہے اور ان گناہوں کو دور کر کے ان کے آثار بھی مٹا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی، دائمی اور وصف لازم ہے اور ہر وقت اپنے بندوں کے ساتھ اس کا معاملہ عفو اور مغفرت کا معاملہ ہوتا ہے، اس لئے اے وہ مظلوم لوگو! جن کے خلاف جرم کیا گیا ہے، تمہارے لئے مناسب یہی ہے کہ تم معاف کر دو، درگزر سے کام لو اور بخش دو تا کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ وہی معاملہ کرے جو

تم نے اس کے ساتھ کیا ہے۔ ﴿فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾ (الشوریٰ: ۴۰/۴۲) ”جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ہاں واجب ٹھہرا۔“

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ
یہ اس لئے کہ بے شک اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں
وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۶۱﴾ ذَلِكِ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ
اور (یہ کہ) بیشک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ۰ یہ اس لئے کہ بیشک اللہ، وہی حق ہے، اور جس کو وہ پکارتے ہیں
مَنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿۶۲﴾
سوائے اس کے، وہ باطل ہے، اور (یہ کہ) بلاشبہ اللہ، وہی ہے بلند تر، بہت بڑا ۰

وہ اللہ جس نے تمہارے لئے یہ اچھے اور انصاف پر مبنی احکام شروع کئے ہیں اپنی تقدیر اور تدبیر میں بہترین طریقے سے تصرف کرتا ہے جو ﴿يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ﴾ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ پس وہ دن کے بعد رات کو اور رات کے بعد دن کو لاتا ہے اور وہ ان دونوں میں سے ایک کو بڑھاتا اور دوسرے میں اسی حساب سے کمی کرتا رہتا ہے پھر اس کے برعکس پہلے میں کمی کرتا ہے اور دوسرے کو بڑھاتا ہے۔ پس دن رات کی اس کمی بیشی پر موسم مترتب ہوتے ہیں اور اسی پر شب و روز اور سورج چاند کے فوائد کا انحصار ہے جو بندوں پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہیں اور یہ مختلف مواسم ان کے لئے نہایت ضروری ہیں۔

﴿وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ﴾ اور اللہ سننے والا ہے۔ ”بندوں کی زبان کے اختلاف اور ان کی مختلف حاجات کے باوجود وہ ان کی چیخ و پکار میں ہر ایک کی بات سنتا ہے۔ ﴿بَصِيرٌ﴾ ”دیکھنے والا ہے۔“ وہ رات کی تاریکی میں ٹھوس چٹان کے نیچے سیاہ چوٹی کو چلتے ہوئے دیکھتا ہے۔ ﴿سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ أَسَرَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ﴾ (الرعد: ۱۸/۱۹) ”تم میں سے کوئی شخص خواہ بلند آواز سے بات کرے یا آہستہ اور کوئی رات کے اندھروں میں چھپا ہوا ہو یا دن کے اجالے میں چل رہا ہو اس کے لئے سب برابر ہے۔“
﴿ذَلِكَ﴾ یہ حکم اور احکام والی ہستی ﴿بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ﴾ وہ ثابت ہے جو ہمیشہ سے ہے وہ زائل ہونے والی نہیں وہ ”اول“ ہے اس سے پہلے کچھ نہ تھا وہ ”آخر“ ہے اس کے بعد کچھ نہیں وہ کامل اسماء و صفات کا مالک وعدے کا سچا اس کا وعدہ حق ہے اس سے ملاقات ہونا حق ہے اس کا دین حق ہے اس کی عبادت حق، نفع مند اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ ﴿وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ﴾ اور اس کے سوا تم جن بتوں اور جمادات و حیوانات میں سے خود ساختہ خداؤں کو پکارتے ہو ﴿هُوَ الْبَاطِلُ﴾ وہ فی نفسہ باطل ہیں اور ان کی عبادت بھی باطل ہے کیونکہ یہ ایسی ہستی سے متعلق ہے جو مضحل اور فانی ہے لہذا وہ بھی اپنے باطل مقصد کی بنا پر باطل ہے۔

﴿وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ وہ فی ذاتہ بلند ہے اس لئے وہ تمام مخلوقات سے بلند ہے وہ عالی قدر ہے اس لئے وہ اپنی صفات میں کامل ہے وہ تمام مخلوقات پر غالب ہے وہ اپنی ذات اور اسماء و صفات میں بلند ہے۔ یہ اس کی عظمت و کبریائی ہے کہ قیامت کے روز زمین اس کے قبضہ قدرت میں اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ پر لپٹے ہوئے ہوں گے۔ یہ اس کی کبریائی ہے کہ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر محیط ہے یہ اس کی کبریائی ہے کہ تمام بندوں کی پیشانیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ اس کی مشیت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتے۔ وہ اس کے ارادے کے بغیر حرکت کر سکتے ہیں نہ ساکن ہو سکتے ہیں۔

اس کی کبریائی کی حقیقت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے نہ کوئی نبی مرسل۔ ہر صفت کمال و جلال اور عظمت و کبریائی اس کے لئے ثابت ہے۔ اس کی یہ صفت کامل ترین اور جلیل ترین درجے پر ہے۔ یہ اس کی کبریائی ہے کہ زمین و آسمان والوں سے صادر ہونے والی عبادات کا مقصد و حید اس کی تعظیم و کبریائی کا اقرار اور اس کے جلال و اکرام کا اعتراف ہے بنا بریں تکبیر تمام بڑی بڑی عبادات مثلاً نماز وغیرہ کا شعار ہے۔

الْمُتَرَّانَ اللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ذَفْتَصِيحُ الْأَرْضِ مُخْضَرَّةً ط إِنَّ
کیا نہیں دیکھا آپ نے کہ بے شک اللہ ہی نے نازل کیا آسمان سے پانی، کہ ہو جاتی ہے (اس سے) زمین سرسبز، بلاشبہ
اللَّهُ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿۹۳﴾ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط

اللہ نہایت باریک بین، باخبر ہے ○ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

وَأَنَّ اللَّهَ لَهُ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۹۴﴾

اور بے شک اللہ، البتہ وہی بے پروا، قابل تعریف ہے ○

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے آیات الہی میں تفکر و تدبر کی ترغیب ہے جو اس کی وحدانیت اور اس کے کمال پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ فرمایا: ﴿الْمُتَرَّانَ﴾ یعنی کیا تم نے چشم بصارت اور چشم بصیرت سے دیکھا نہیں؟ ﴿أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً﴾ بے شک اللہ اتارتا ہے آسمان سے پانی۔ اس سے مراد بارش ہے جو پیاسی اور قحط زدہ زمین پر جس کے کنارے غبار آلود اور اس میں موجود تمام درخت اور نباتات خشک ہو چکے ہوتے ہیں نازل ہوتی ہے۔ پس زمین سرسبز ہو جاتی ہے ہر قسم کا خوبصورت لباس پہن لیتی ہے اور اس طرح زمین خوش منظر بن جاتی ہے۔ بلاشبہ وہ ہستی جس نے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کیا، مردوں کو ان کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد زندہ کرے گی۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ﴾ (اللطیف) سے مراد وہ ہستی ہے جو تمام اشیاء کے باطن ان کے مخفی امور اور ان کے تمام بھیدوں کو خوب جانتی ہے جو اپنے بندوں کو ان دیکھے راستوں سے بھلائی عطا کرتی ہے اور ان سے برائی کو دور کرتی ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے کہ وہ اپنے بندے کو اپنے انتقام میں اپنی

قوت اور اپنی قدرت کاملہ کا نظارہ کروااتا ہے اور جب بندہ ہلاکت کے گڑھے پر پہنچ جاتا ہے تو اس پر اپنے لطف کا اظہار کرتا ہے۔ یہ بھی اس کے لطف و کرم کا حصہ ہے کہ وہ بارش ہونے کی جگہوں اور زمین کے سینے میں چھپے ہوئے بیجوں کو جانتا ہے۔ وہ بارش کے اس پانی کو اس بیج تک پہنچاتا ہے جو مخلوق سے مخفی ہے پھر اس سے مختلف انواع کی نباتات اگاتا ہے۔ ﴿حَمِيدٌ﴾ وہ تمام امور کے رازوں اور تمام سینوں کے بھیدوں کی خبر رکھتا ہے۔

﴿لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ یعنی جو کچھ زمین و آسمان میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی قوت، حکمت اور اقتدار کامل سے ان میں تصرف کرتا ہے۔ اس معاملے میں اس کے سوا کسی کو کوئی اختیار نہیں ﴿وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُو الْغَنِيُّ﴾ یعنی وہ بذاتہ غنی ہے جو ہر لحاظ سے غنائے مطلق و تمام کا مالک ہے یہ اس کی غنائے کامل ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی کا محتاج نہیں وہ ذلت سے بچنے کے لئے ان کو مددگار بناتا ہے نہ قلت کو دور کرنے کے لئے ان کے ذریعے کثرت حاصل کرتا ہے۔ یہ اس کی غنائے تام ہے کہ اس کی کوئی بیوی ہے نہ اولاد۔ یہ اس کی غنا ہے کہ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے وہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے کسی لحاظ سے وہ کسی چیز کا محتاج نہیں جس کی مخلوق محتاج ہوتی ہے وہ مخلوق کو کھلاتا ہے کوئی اس کو نہیں کھلاتا۔ یہ اس کی غنا ہے کہ تمام مخلوق اپنے وجود میں آنے، اپنے تیار ہونے، اپنی امداد میں اور اپنے دین و دنیا میں اسی کی محتاج ہے۔

یہ اس کی غنائے تام ہے کہ اگر آسمانوں اور زمین کے تمام لوگ زندہ و مردہ سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں پھر ان میں سے ہر شخص اپنی اپنی خواہش و تمنا کے مطابق اس سے سوال کرے اور وہ ان کو ان کی تمنا اور خواہش سے بڑھ کر عطا کر دے تب بھی اس کے خزانے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ یہ اس کی غنا ہے کہ اس کا دستِ عطا دن رات خیر و برکات عنایت کرتا رہتا ہے اس کا فضل و کرم تمام جانداروں پر جاری و ساری ہے۔ یہ اس کی غنا ہے کہ اس نے اپنے اکرام و تکریم والے گھر میں وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے تصور سے اس کے طائر خیال کا گزر ہوا ہے۔

﴿الْحَمِيدُ﴾ وہ اپنی ذات میں محمود ہے اور وہ اپنے اسماء میں محمود ہے کیونکہ اس کے تمام نام اچھے ہیں۔ وہ اپنی صفات میں محمود ہے کیونکہ اس کی تمام صفات کمال ہیں۔ وہ اپنے افعال میں محمود ہے کیونکہ اس کے تمام افعال عدل و احسان اور رحمت و حکمت پر مبنی ہیں۔ وہ اپنی تشریع میں محمود ہے کیونکہ وہ صرف اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس میں کوئی خالص یا راجح مصلحت ہو اور وہ اسی چیز سے روکتا ہے جس میں کوئی خالص یا راجح فساد ہو۔ وہ جس کے لئے ہر قسم کی ستائش ہے جس نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور ان کے بعد جو کچھ وہ چاہے سب کو لبریز کر رکھا ہے۔ وہ ہستی کہ بندے اس کی حمد و ثناء بیان کرنے سے قاصر ہیں بلکہ وہ ویسے ہی ہے جیسے اس نے خود اپنی حمد و ثناء بیان کی ہے۔ وہ اس حمد و ثناء سے بالا و بلند تر ہے جو بندے بیان کرتے ہیں۔ وہ جسے اپنی توفیق

سے نوازتا ہے تو اپنی توفیق پر قابل تعریف ہے اور جب اس سے علیحدہ ہو کر اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے تو اس پر بھی قابل تعریف ہے۔ وہ اپنی حمد و ثنائیں غنی اور اپنی غنائیں قابل تعریف ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ وَاَلْفُلَكَ تَجْرِى فِى الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ
کیا نہیں دیکھا آپ نے کہ بیشک اللہ نے تابع کر دیا واسطے تمہارے جو کچھ زمین میں ہے اور کشتیوں کو جو چلتی ہیں سمندر میں ساتھ اسکے حکم کے
وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِہٖ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ
اور وہی تھامے رکھتا ہے آسمان کو اس سے کہ گر پڑے وہ اوپر زمین کے مگر ساتھ اسی کے حکم کے بلاشبہ اللہ لوگوں پر
لَرَّوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِیْ اَحْیَاكُمْ ذُنُومَہُمْ یُبْیِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ
البتہ نہایت شفقت کر نیوالا، بڑا مہربان ہے اور وہی ہے جس نے زندہ کیا تمہیں، پھر وہ مارا گیا تمہیں، پھر (دوبارہ) وہ زندہ کرے گا تمہیں،

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾

بے شک انسان البتہ بڑا ناشکرا ہے

کیا تم نے اپنی آنکھ اور دل سے اپنے رب کی بے پایاں نعمت اور بے حد احسانات کو نہیں دیکھا؟ ﴿اِنَّ اللّٰهَ
سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے حیوانات نباتات اور جمادات کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ روئے
زمین کی تمام موجودات کو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے لئے مسخر کر دیا ہے چنانچہ زمین کے تمام حیوانات کو انسان کی
سواری، نقل و حمل، کام کاج، کھانے اور مختلف انواع کے استفادے کے لئے مسخر کر دیا اور اس کے تمام درختوں
اور پھلوں کو بھی مسخر کر دیا تاکہ وہ ان سے خوراک حاصل کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو درخت لگانے زمین سے
غلہ حاصل کرنے اور معدنیات نکالنے کی طاقت عطا کی تاکہ وہ ان سے استفادہ کرے۔

﴿وَالْفُلَکَ﴾ یعنی تمہارے لئے کشتیوں کو مسخر کر دیا ﴿تَجْرِی فِى الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ﴾ وہ سمندروں میں
تمہیں اور تمہارے تجارتی سامان کو اٹھائے پھرتی ہیں اور تمہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتی ہیں نیز تم سمندر
سے موتی نکالتے ہو جنہیں تم زیور کے طور پر پہنتے ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تم پر رحمت ہے کہ ﴿وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ اَنْ
تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ﴾ اس نے آسمان کو زمین پر گرنے سے تھام رکھا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی قدرت
نہ ہوتی تو آسمان زمین پر گر پڑتا اور زمین پر موجود ہر چیز کو تلف اور ہر انسان کو ہلاک کر دیتا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُولَا وَلَکِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَکْهُمَا مِنْ اَحَدٍ فَرْنَ بَعْدَہٗ طَائِفَةٌ کَانَ حَلِیْبًا غَفُوْرًا﴾ (فاطر: ۱۳۵)
”بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو تھام رکھا ہے اگر وہ دونوں ٹل (ڈول) جائیں تو اللہ تعالیٰ کے
سوا کوئی اور ان کو تھامنے والا نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت حلیم اور بخش دینے والا ہے۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَّوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ اللہ تعالیٰ ان پر ان کے والدین سے اور خود ان سے زیادہ مہربان ہے

اسی لئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے بھلائی چاہتا ہے اور وہ خود اپنے لیے برائی اور ضرر چاہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے ان تمام اشیاء کو ان کے لئے مضر کر دیا ہے۔

﴿وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ﴾ ”اور وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا۔“ اور تمہیں عدم سے وجود میں لایا ﴿ثُمَّ يُمِيتُكُمْ﴾ پھر وہ تمہیں زندہ کرنے کے بعد مارے گا ﴿ثُمَّ يُحْيِيكُمْ﴾ پھر تمہارے مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا تاکہ نیک کو اس کی نیکی اور بد کو اس کی بدی کا بدلہ دے۔ ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ﴾ ”بے شک انسان۔“ یعنی جس انسان سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ بچالے ﴿لَكَفُورٌ﴾ ”ناشکر ہے“ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اور اللہ تعالیٰ کا ناسپاس ہے وہ اللہ تعالیٰ کے احسان کا اعتراف نہیں کرتا بلکہ بسا اوقات وہ دوبارہ اٹھائے جانے کا اور اپنے رب کی قدرت کا انکار کرتا ہے۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنَسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَادِعُكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿٦٥﴾ وَإِنْ جُدُلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٦﴾ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ سَاهٍ اس کے جو تم عمل کرتے ہو ○ اللہ ہی فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان دن قیامت کے ان باتوں میں کہ تمہیں ان میں تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ خِلَافٌ كَرْتِے ○ کیا نہیں جانتے آپ کہ بے شک اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے؟ بلاشبہ یہ (سب کچھ) فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾
لوح محفوظ میں (درج) ہے، بے شک یہ اوپر اللہ کے آسان ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے ہر امت کے لئے ﴿مَنَسَكًا﴾ ایک عبادت مقرر کی ہے جو عدل و حکمت پر متفق ہونے کے باوجود بعض امور میں مختلف ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مَنَسَكًا﴾ شَرْعَةً وَمِنْهَا جَاوُزُ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ﴿المائدة: ۴۸/۵﴾ ”ہم نے تم میں سے ہر ایک گروہ کے لئے ایک شریعت اور طریقہ مقرر کیا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں ایک ہی امت بنا دیتا مگر اس نے جو احکام تمہیں دیئے ہیں وہ ان میں تمہیں آزمانا چاہتا ہے۔“

﴿هُم نَاسِكُوهُ﴾ یعنی وہ اس پر اپنے احوال کے مطابق عمل پیرا ہیں اس لئے ان شریعتوں میں سے کسی شریعت پر اعتراض کی گنجائش نہیں خاص طور پر ان پڑھوں کے لئے جو شرک اور کھلی جہالت میں مبتلا ہیں کیونکہ

جب رسول کی رسالت دلائل کے ساتھ ثابت ہوگئی تو اس پر اعتراض کو ترک کرنا، ان تمام احکام کو قبول کرنا اور ان کے سامنے تسلیم خم کرنا واجب ہے جو رسول لے کر آیا ہے، بناء بریں فرمایا: ﴿فَلَا يَنَازِعُكَ فِي الْأَمْرِ﴾ یعنی آپ ﷺ کی تکذیب کرنے والے اپنی فاسد عقل کی بنیاد پر آپ کے ساتھ جھگڑا کریں نہ آپ کی لائی ہوئی کتاب پر اعتراض کریں، جیسے وہ اپنے فاسد قیاس کی بنا پر مدار کی حلت کے بارے میں آپ ﷺ سے جھگڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”جسے تم قتل کرتے ہو اسے تو کھا لیتے ہو اور جسے اللہ تعالیٰ قتل کرتا ہے اسے نہیں کھاتے“ اور جیسے وہ سود کی حلت کے لئے کہتے ہیں: ”تجارت بھی تو سود ہی کی مانند ہے“ اور اس قسم کے دیگر اعتراضات جن کا جواب دینا لازم نہیں۔ وہ درحقیقت اصل رسالت ہی کے منکر ہیں جس میں کسی بحث اور مجادلے کی گنجائش نہیں بلکہ ہر مقام کے لئے ایک الگ دلیل اور گفتگو ہے۔

اس قسم کا اعتراض کرنے والا منکر رسالت جب یہ دعویٰ کرے کہ وہ تو صرف تلاش حق کے لئے بحث کرتا ہے تو اس سے یہ کہا جائے: ”آپ کے ساتھ صرف رسالت کے اثبات اور عدم اثبات پر گفتگو ہو سکتی ہے“ ورنہ اس کا صرف اپنی بات پر اقتصار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا مقصد محض عاجز کرنا اور مشقت میں ڈالنا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے رب کی طرف بلائیں اور اسی رویے کو اپنائیں رکھیں، خواہ معترضین اعتراض کریں یا نہ کریں اور یہ مناسب نہیں کہ کوئی چیز آپ کو اس دعوت سے ہٹا دے کیونکہ ﴿إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ﴾ ”یقیناً آپ ﷺ سیدھے راستے پر ہیں“ جو معتدل اور منزل مقصود پر پہنچاتا ہے اور علم حق اور اس پر عمل کا متضمن ہے۔ آپ کو اپنی دعوت کی حقانیت پر اعتماد اور اپنے دین پر یقین ہے لہذا یہ اعتماد اور یقین اس امر کے موجب ہیں کہ آپ ﷺ اپنے موقف پر سختی سے جبرے رہیں اور وہ کام کرتے رہیں جس کا آپ کے رب نے آپ کو حکم دیا ہے۔

آپ ﷺ کا موقف مشکوک اور کمزور نہیں یا آپ کی دعوت جھوٹ پر مبنی نہیں کہ آپ لوگوں کی خواہشات نفس اور ان کی آراء کی طرف التفات کریں اور ان کا اعتراض آپ ﷺ کی راہ کو کھونا کر دے۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ﴾ (النمل: ۷۹/۲۷) ”اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے، بے شک آپ واضح حق پر ہیں۔“

نیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ﴾ میں جزئیات شرع پر معترضین کے اس اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ ہے جو عقل صحیح پر مبنی ہے کیونکہ ہدایت ہر اس چیز کا وصف ہے جسے رسول لے کر آئے ہیں۔ ہدایت وہ طریق کار ہے جس سے اصولی اور فروعی مسائل میں راہنمائی حاصل ہوتی ہے اور یہ وہ مسائل ہیں جن کا حسن اور جن میں پنہاں عدل و حکمت عقل صحیح اور فطرت سلیم کے نزدیک معروف ہے اور یہ چیز مامورات و منہیات

کی تفصیل پر غور کرنے سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

بناء بریں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس حالت میں ان کے ساتھ بحث کرنے سے گریز کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ﴿وَإِنْ جَدَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ ”اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو کہہ دیجئے اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔“ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے مقاصد اور تمہاری نیتوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ تمہیں قیامت کے دن ان کی جزا دے گا اور تمہارے درمیان ان سب باتوں کا فیصلہ کرے گا جن کے بارے میں تم آپس میں اختلاف کرتے ہو۔ پس جو کوئی صراط مستقیم کے موافق ہوگا وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جنہیں نعمتوں سے نوازا جائے گا اور جو صراط مستقیم سے ہٹا ہوا ہوگا وہ جہنمیوں میں شامل ہوگا۔

اس کے فیصلے کی تکمیل یہ ہے کہ یہ فیصلہ اس کے علم کی بنیاد پر ہوگا، بنا بریں اللہ تعالیٰ نے احاطہ علم اور احاطہ کتاب کا ذکر فرمایا: ﴿أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ پر تمام معاملات کے ظاہر و باطن، جلی و خفی اور اول و آخر میں سے کچھ بھی مخفی نہیں زمین و آسمان کی موجودات کا احاطہ کرنے والا علم اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب میں درج کر رکھا ہے..... اور وہ ہے لوح محفوظ۔ اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اسے حکم دیا ”لکھ! قلم نے عرض کیا ”کیا لکھوں؟“ فرمایا ”قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اسے لکھ“ ﴿إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ اگرچہ تمہارے نزدیک اس کے تصور کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا مگر اللہ تعالیٰ کے لئے تمام اشیاء کے علم کا احاطہ کرنا بہت آسان ہے اور اس کے لئے یہ بھی بہت آسان ہے کہ آئندہ واقعات کے علم کو واقعات کے مطابق ایک کتاب میں درج کر دے۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ

اور وہ (مشرك) عبادت کرتے ہیں سوائے اللہ کے اس چیز (بتوں) کی کہ نہیں نازل کی اللہ نے اس کی کوئی دلیل، اور اس چیز کی کہ نہیں ہے انوار کا

عِلْمُهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ۝۵۱ وَإِذَا تُثْلَىٰ عَلَيْهِمْ أَيْتُنَا بِآيَاتِنَا

کوئی علم اور نہیں ہے واسطے ظالموں کے کوئی مددگار ۵۱ اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں واضح

تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ

تو پہچانتے ہیں آپ چہروں میں ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا ناگواری، قریب ہوتے ہیں وہ کہ حملہ کر دیں ان لوگوں پر جو پڑھتے ہیں

عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا قُلْ أَفَأَنْتُمْ بَشَرٌ مِّنْ ذَلِكُمُ النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ

ان پر ہماری آیتیں آپ کہہ دیجئے! کیا پس خبر دوں میں تمہیں ساتھ بدتر کے اس سے بھی؟ (وہ) آگ ہے، وعدہ کیا اس کا اللہ نے

① سنن ابی داود السنۃ باب فی القدر ح: ۴۷۰۰ و جامع الترمذی تفسیر القرآن باب و من سورۃ نون و

الَّذِينَ كَفَرُوا ط وَبِئْسَ الْبَصِيرُ ۝

ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا، اور بری ہے وہ پھرنے کی جگہ ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ مشرکین کی حالت کا ذکر کرتا ہے جنہوں نے خود ساختہ معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے ہمسر ٹھہرا رکھا ہے کہ ان کی حالت بدترین حالت ہے۔ ان افعال پر ان کے پاس کوئی سند ہے نہ ان کے پاس کوئی علم ہی ہے۔ یہ تو محض مقلد ہیں یہ سب کچھ انہوں نے اپنے گمراہ آباؤ و اجداد سے حاصل کیا ہے..... اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان جو کوئی کام کرتا ہے اس کے پاس..... فی نفس الامر..... کوئی علمی دلیل نہیں ہوتی چنانچہ یہاں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شرک پر کوئی دلیل نازل نہیں کی جو اس کے جواز پر دلالت کرتی ہو بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے ایسی براہین قاطعہ نازل فرمائی ہیں جو اس کے فساد و بطلان پر دلالت کرتی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں کو جو حق کے ساتھ عناد رکھتے ہیں، وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ﴾ ”ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا“ جو ان کو اللہ تعالیٰ کے نازل ہونے والے عذاب سے بچا سکے۔ کیا یہ لوگ جن کو اپنے موقف کے بطلان کا علم نہیں، یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی آیات اور ہدایت آجائے گی وہ اس کی اتباع کریں گے یا وہ اپنے باطل ہی پر راضی ہیں؟ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَإِذْ أَتَيْنَا عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ﴾ ”جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری واضح آیات۔“ وہ جو اللہ تعالیٰ کی جلیل القدر آیات ہیں اور باطل میں سے حق کو واضح کرنے کو مستلزم ہیں..... تو یہ ان آیات کی طرف التفات کرتے ہیں نہ ان کو درخور اعتناء سمجھتے ہیں بلکہ اس کے برعکس ﴿تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ﴾ آپ ﷺ ان کے چہروں کو ان آیات الہی کے ساتھ ان کے بغض و کراہت کی بنا پر، بگڑا ہوا اور ان کو منقبض اور ترش رو دیکھتے ہیں۔ ﴿يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا﴾ یعنی ان کے شدت بغض اور حق کے ساتھ عناد اور عداوت کی وجہ سے قریب ہے کہ وہ ان آیات کی تلاوت کرنے والے کو قتل کرنے یا مارنے کے لئے اس پر چڑھ دوڑیں۔ پس کفار کی یہ حالت بہت ہی بری حالت اور ان کا شر بہت ہی برا شر ہے مگر ان کی ایک حالت اس سے بھی بدتر ہے جس کی طرف یہ لوٹیں گے اس لئے فرمایا: ﴿قُلْ أَفَأَنْتُمْ كُمُّ بِشِيرٍ مِنْ ذِكْرِ النَّارِ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَبِئْسَ الْبَصِيرُ﴾ ”کہہ دیجیے! کیا میں تمہیں خبر دوں اس سے بھی بدتر چیز کی، وہ آگ ہے جس کا وعدہ اللہ نے کافروں سے کیا ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔“ پس اس کا شر بہت طویل اور عریض ہے اس کے آلام بہت شدید ہیں جو ہمیشہ بڑھتے ہی رہیں گے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبٌ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ط إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ

اے لوگو! بیان کی گئی ہے ایک مثال، پس کان لگاؤ تم اس کے لئے (غور سے سنو)، بے شک وہ لوگ جنہیں تم پکارتے ہو سوائے

اللَّهُ كُنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَعُوا لَهُ ط وَإِنْ يَسْأَلْهُمْ الذُّبَابُ
 اللَّهُ كے، ہرگز نہیں پیدا کر سکیں گے وہ ایک مکھی بھی اگرچہ اکٹھے ہو جائیں وہ اس کے لئے اور اگر چین لے ان سے کبھی
 شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ط ضَعْفُ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ ۝ مَا قَدَرُوا اللَّهَ
 کچھ تو نہیں چھڑا سکتے وہ اسکو اس سے کمزور ہے طلب کرنے والا (عابد) اور وہ جس سے طلب کیا جاتا ہے (معبود) ۝ نہیں قدر کی انہوں نے اللہ کی
 حَقِّ قَدْرِهِ ط إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝

جس طرح حق ہے اس کی قدر کرنے کا بے شک اللہ البتہ نہایت قوت والا غالب ہے ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کی قباحت ان کی عبادت کرنے والوں میں عقل کی کمی اور ان سب کی
 کمزوری کو بیان کرنے کے لئے ایک مثال بیان کی ہے۔ فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ﴾ ”اے لوگو!“ یہ خطاب مومنین
 اور کفار دونوں کے لئے ہے۔ اس سے اہل ایمان کے علم و بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے اور کفار کے خلاف حجت قائم
 ہوتی ہے۔ ﴿ضَرْبَ مَثَلٍ فَاستَمِعُوا لَهُ﴾ یعنی اس بیان کردہ مثال کو غور سے سنو اور اس کے مطالب کو سمجھنے کی
 کوشش کرو۔ یہ تمہارے دلوں کو غافل اور تمہارے کانوں کو اس سے اعراض کرنے والا نہ پائے بلکہ اپنے کانوں اور
 دلوں سے خوب غور سے سنو۔

وہ مثال یہ ہے۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ ”بے شک وہ لوگ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔“
 یہ آیت کریمہ ان تمام ہستیوں کو شامل ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا پکارا جاتا ہے۔ ﴿كُنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا﴾ ”وہ کبھی
 بھی پیدا نہیں کر سکتے“ جو حقیر ترین اور خسیس ترین مخلوق ہے۔ پس وہ اس نہایت کمزوری مخلوق کو پیدا کرنے پر قادر
 نہیں ہیں اس لئے بڑی مخلوق تو وہ کیا پیدا کر سکتے ہیں؟ ﴿وَلَوْ اجْتَعُوا لَهُ﴾ ”اگرچہ وہ سب اکٹھے کیوں نہ ہو
 جائیں۔“ بلکہ اس سے بھی بلیغ تر بات یہ ہے کہ ﴿إِنْ يَسْأَلْهُمْ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ﴾ ”اگر
 مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو وہ اس سے وہ بھی نہیں چھڑا سکتے۔“ یہ عجز اور بے بسی کی انتہاء ہے۔

﴿ضَعْفُ الطَّالِبِ﴾ ”کمزور ہے طالب۔“ یعنی وہ جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہے ﴿وَالْمَطْلُوبِ﴾
 ”اور وہ جس سے طلب کیا جا رہا ہے۔“ یعنی مکھی پس دونوں ہی کمزور ہیں اور ان دونوں سے بھی کمزور تر وہ لوگ
 ہیں جنہوں نے ان کو رب العالمین کے مقام پر فائز کر رکھا ہے۔ پس یہ وہ لوگ ہیں ﴿مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقِّ
 قَدْرِهِ﴾ ”جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ پہچانی جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے“ کیونکہ انہوں نے ایک ایسی ہستی کو جو
 ہر لحاظ سے محتاج اور عاجز ہے اس اللہ تعالیٰ کا ہم پلہ بنا دیا جو ہر اعتبار سے بے نیاز اور طاقتور ہے۔ انہوں نے اس
 ہستی کو جو خود اپنے یا کسی دوسرے کے لئے کسی نفع و نقصان کی مالک ہے نہ زندگی اور موت کا اختیار رکھتی ہے اور نہ
 دوبارہ زندہ اٹھانے پر قادر ہے اس ہستی کے برابر ٹھہرا دیا جو نفع و نقصان کی مالک ہے جو عطا کرتی ہے اور محروم کرتی

ہے جو اقتدار کی مالک اور اپنی بادشاہی میں ہر قسم کا تصرف کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ یعنی وہ کامل قوت اور کامل عزت کا مالک ہے اس کی قوت کاملہ اور کامل غلبہ کا یہ حال ہے کہ تمام مخلوق کی پیشانیاں اس کے ہاتھوں میں ہیں۔ اس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر کوئی چیز حرکت کر سکتی ہے نہ ساکن ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہو سکتا اور یہ اس کا کمال قوت ہے کہ وہ تمام مخلوق کو اول سے لے کر آخر تک ایک چنگھاڑ کے ذریعے سے زندہ اٹھا کر کھڑا کرے گا اور یہ اس کا کمال قوت ہے کہ اس نے بڑے بڑے جابروں اور سرکش قوموں کو ایک معمولی سی چیز اور اپنے عذاب کے کوڑے سے ہلاک کر ڈالا۔

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ط إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٥٦﴾
 اللہ جن لیتا ہے فرشتوں میں سے کچھ قاصد اور لوگوں میں سے (بھی) یقیناً اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ○
 يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ط وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٥٧﴾
 وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تمام امور ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا کمال اور بتوں کی کمزوری اور عجز بیان کرنے کے بعد نیز یہ کہ وہی معبود برحق ہے..... انبیاء و رسل کا حال بیان کیا ہے اور ان کے وہ امتیازی فضائل بیان کئے جن کے ذریعے سے وہ دیگر مخلوق سے ممتاز ہیں تو فرمایا: ﴿اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ﴾ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول منتخب کرتا ہے جو اپنی نوع میں بہترین فرد اور صفاتِ مجد کے سب سے زیادہ جامع اور منتخب کئے جانے کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق ہوتے ہیں۔ پس رسول علی الاطلاق مخلوق میں سے چنے ہوئے لوگ ہوتے ہیں اور جس ہستی نے ان کو رسالت کے منصب کے لئے منتخب کیا ہے وہ اشیاء کے حقائق سے لاعلم نہیں یا وہ ایسی ہستی نہیں کہ وہ کچھ چیزوں کا علم رکھتی ہو اور کچھ چیزوں سے لاعلم ہو بلکہ ان کو منتخب کرنے والی ہستی، سمیع و بصیر ہے جس کے علم اور سمع و بصر نے تمام اشیاء کا احاطہ کر رکھا ہے اس لئے اس نے اپنے علم ہی کی بنیاد پر ان لوگوں کو اپنی رسالت کے لئے منتخب کیا ہے۔ وہ اس منصب کے اہل ہیں اور وحی کی ذمہ داری سونپنے جانے کے لئے یہ صحیح لوگ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ (الانعام: ۱۲۴/۶) ”اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ رسالت کسے عنایت فرمائے۔“ ﴿وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ ”اور اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں۔“ یعنی اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیجتا ہے وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہیں، کچھ لوگ ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور کچھ لوگ ان کی دعوت کو رد کر دیتے ہیں، کچھ لوگ ان کی لائی ہوئی وحی پر عمل کرتے ہیں اور کچھ لوگ اس پر عمل نہیں کرتے۔ پس یہ تو ہے رسولوں کی ذمہ داری اور ان کا وظیفہ۔ اور رہی ان

اعمال کی جزا و سزا تو یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ پس وہ اس جزاء و سزا میں فضل و کرم کا اہتمام بھی کرے گا اور عدل و انصاف کا بھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! رکوع کرو، اور سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے رب کی، اور کرو بھلائی (کے کام)
لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿۱۷﴾ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۖ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا
تَا کہ تم فلاح پاؤ ۱۷ اور جہاد کرو تم اللہ کی راہ میں جیسا کہ حق ہے اس کے جہاد کرنے کا اسی نے پسند کیا تمہیں اور نہیں
جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۖ هُوَ سَمَّاكُمُ
رکھی اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی (مانند) دین تمہارے باپ ابراہیم کے اسی نے نام رکھا تمہارا
الْمُسْلِمِينَ ۚ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ
مسلمان اس (قرآن) سے پہلے اور اس (قرآن) میں بھی، تاکہ ہوں رسول اللہ (ﷺ) گواہ تم پر،
وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا
اور تم ہو گواہ اوپر لوگوں کے پس قائم کرو تم نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور مضبوطی سے پکڑو تم
بِاللَّهِ ۚ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۱۸﴾
اللہ کو، وہی کارساز ہے تمہارا، پس بہترین کارساز ہے وہ، اور بہترین مددگار ہے وہ ۱۸

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو نماز کا حکم دیتا ہے اور اس نے رکوع و سجود کا ان کی فضیلت اور ان کے رکن نماز ہونے کی بنا پر خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ نماز اس کی عبادت ہے جو آنکھوں کی ٹھنڈک اور غزده دل کے لئے تسلی ہے۔ اس کی ربوبیت اور بندوں پر اس کا احسان ان سے تقاضا کرتے ہیں کہ وہ عبادت کو اس کے لئے خالص کریں۔ نیز اللہ تعالیٰ عمومی طور پر ان کو بھلائی کے کاموں کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فلاح کو انہی امور سے وابستہ کیا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ﴾ یعنی تم اپنے مطلوب و مرغوب کے حصول اور ناپسندیدہ اور خوفناک امور سے نجات پانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ پس اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اخلاص اور اس کے بندوں کو نفع پہنچانے کی کوشش کے سوا فلاح کے حصول کا کوئی راستہ نہیں۔ جسے اس راستے کی توفیق حاصل ہوگئی اسی کے لئے کامیابی، سعادت اور فلاح ہے۔

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾ ”اور اللہ کی راہ میں ویسا ہی جہاد کرو جیسے جہاد کا حق ہے۔“ مقصود و مطلوب کے حصول میں پوری کوشش کرنا جہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے..... یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو پوری طرح نافذ کیا جائے مخلوق کو ہر طریقے سے اللہ تعالیٰ کے راستے کی

طرف دعوت دی جائے۔ خیر خواہی سے، تعلیم، قتال اور تادیب سے، زجر و توبیخ یا وعظ و نصیحت کے ذریعے سے اس مقصد کے لیے جس طریقے اور ذریعے کی بھی ضرورت ہو اسے اختیار کیا جائے۔ ﴿هُوَ اجْتَبَاكُمْ﴾ یعنی اے مسلمانوں کے گروہ! اس نے تمہیں لوگوں سے چن لیا ہے اور تمہارے لئے دین کو منتخب کر کے اے تمہارے لئے پسند کر لیا ہے، تمہارے لئے افضل ترین کتاب اور افضل ترین رسول ﷺ کو منتخب کیا، اس لئے جہاد کو اچھی طرح قائم کر کے اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نوازش کا بدلہ دو۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾ سے بسا اوقات کسی متوہم کو یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ ایسا حکم ہے جس کی تعمیل طاقت سے باہر ہے یا جس کی تعمیل میں سخت مشقت ہے اس لئے اس وہم سے احتراز کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ اور نہیں کی اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی۔ یعنی مشقت اور تنگی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے دین کو انتہائی آسان اور سہل بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف انہی امور کا حکم دیا ہے جس کو بجالانا نفوس انسانی کے لئے نہایت سہل ہے جو ان کے لئے گراں بار ہیں نہ تھکا دینے والے ہیں۔ پھر بھی اگر کوئی ایسا سبب پیش آ جائے جو تخفیف کا موجب ہو تو اللہ تعالیٰ اس حکم کو ساقط کر کے یا اس میں کمی کر کے اس میں تخفیف کر دیتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے ایک شرعی قاعدہ اخذ کیا جاتا ہے اور وہ ہے (الْمَشَقَّةُ تَجْلِبُ التَّيْسِيرَ) ”مشقت اپنے ساتھ آسانی لے کر آتی ہے“ (الصَّغُورَاتُ تُبْنِي الْمَحْظُورَاتِ) ”ضرورت ممنوع چیز کو مباح کر دیتی ہے۔“ بہت سے فروعی احکام اس قاعدہ کے تحت آتے ہیں جن کا ذکر احکام کی کتابوں میں معروف ہے۔

﴿مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ﴾ یعنی مذکورہ دین اور احکام تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہیں جن پر وہ ہمیشہ عمل پیرا رہے اس لئے تم بھی ان کا التزام کرو اور ان پر عمل پیرا رہو۔ ﴿هُوَ سَمَّاكُمْ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی اس نے کتب سابقہ میں تمہارا نام ”مسلم“ رکھا ہے اور اسی نام سے تم مذکور و مشہور ہو یعنی ابراہیم علیہ السلام ہی نے تمہارا نام ”مسلم“ رکھا ہے۔ ﴿وَفِي هَذَا﴾ اور اس کتاب اور اس شریعت میں بھی تمہارا نام ”مسلم“ ہی ہے یعنی قدیم اور جدید زمانے میں تمہیں ”مسلم“ کے نام ہی سے پکارا جاتا رہا ہے۔ ﴿لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ﴾ تاکہ رسول تمہارے اچھے اور برے اعمال کی گواہی دیں۔ ﴿وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ تم انبیاء و رسل کے حق میں ان کی امتوں کے خلاف گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو کچھ نازل فرمایا تھا انہوں نے اپنی امتوں کو پہنچا دیا تھا کیونکہ تم بہترین، معتدل، بھلائی کے راستے پر گامزن اور امت و وسط ہو۔

﴿فَاقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ نماز کو اس کے تمام ارکان، تمام شرائط و حدود اور اس کے تمام لوازم کے ساتھ قائم کرو۔

﴿وَاتُوا الزَّكَاةَ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جن نعمتوں سے نوازا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے زکوٰۃ

مفروضہ ادا کرو۔ ﴿وَاعْتَصِمُوا بِاللهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جاؤ اور اس بارے میں صرف اسی پر بھروسہ کرو اور اپنی قوت و اختیار پر اعتماد نہ کرو۔ ﴿هُوَ مَوْلَاكُمْ﴾ ”وہی تمہارا مولیٰ ہے“ جو تمہارے تمام امور کی دیکھ بھال کرنے والا ہے۔ پس وہ بہترین طریقے سے تمہاری تدبیر اور بہترین اندازے سے تم میں تصرف کرتا ہے۔ ﴿فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ﴾ ”پس کیا اچھا مولیٰ اور کیا اچھا مددگار ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ جس کی سرپرستی کرتا ہے تو وہ بہترین سرپرست ہے۔ پس اس سے اس کا مطلوب و مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور جو کوئی اپنی مصیبت دور کرنے کے لئے اس سے مدد مانگتا ہے تو وہ بہترین مددگار ہے اس سے اس مصیبت کو وہ دور کر دیتا ہے۔

